ارضِ فلسطین

Greater Isreal

Greater Isreal

مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کا ناجائز قبضہ

بیت المقدس، مسجد اقصیٰ، قبتہ الصخرہ تاریخ کے آئینے میں

انسائیکلوپیڈیا آف فلسطین

مصنف

پیر مفتی سیّد انور علی شاہ

فہرست

پہلا باب

انتساب

نظمیں

تمہید

فلسطین کا معنی

فلسطین کی طبعی جغرافیائی اہمیت

فلسطین میں بہنے والی نہریں

آبادی اور بڑے شہر

فلسطین کی اقتصادی اور جیو پولٹیکل اہمیت

ارضِ فلسطین کی تاریخ

ارضِ کنعان اور فلسطین

فلسطین کی جانب یہودیوں کی ہجرت

مسلمانوں کے ہاتھوں فلسطین کی فتح

فلسطین صلیبی جنگوں کے دوران

فلسطین عثمانی دور میں

صہیونزم کی پیدائش

صہیونزم کی پیدائش کی تاریخ

فلسطین کی اسٹراٹجیکل اہمیت اور استعمار کی لالچ

عالمی صہیونی تنظیم کے اقدامات

صہیونیوں کی سرگرم ڈپلومیسی

فلسطین پر قبضہ کیلئے برطانوی اقدامات

برطانوی کابینہ کی منظوری

عثمانی خلافت میں تفرقہ اندازی

امریکی صہیونیوں کو فلسطین میں ملوث کرنا

مسجد اقصٰی قبۃ الصخرہ تاریخ کے ائینے میں

سنہری گنبد والی عمارت قبۃ الصخرہ

صخرہ کا حدودِ اربعہ

صخرہ کی تقدیس یہودیوں کی نظر میں

صخرہ کی اہمیت عیسائیوں کے درمیان

صخرہ کی قدر مسلمانوں کے نزدیک

صخرہ بیت اللہ کا بدل نہیں

صخرہ پر عمارت کی تعمیر

مسجد صخرہ پر یہودیوں کے حملے

کرنے کا کام

دوسرا باب

قائد اعظم محمد علی جناح اور مسئلہ فلسطین

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور مسئلہ فلسطین

مسلمانوں کا یہودیوں سے حسنِ سلوک اور یہود کی احسان فراموشی

اے مسلمان نوجوان

اے اُمتِ مسلمہ کے ترجمان

مسئلہ فلسطین اور غیر مسلم مؤرخین

کیا سرزمین فلسطین مسجدِ اقصٰی یہودیوں کی ہے؟

سلطنتِ عثمانیہ کا آخری بااختیار خلیفہ

سلطان عبدالحمید ثانی اور مسئلہ فلسطین

تیسرا باب

مولانا عمار خان ناصر صاحب اور مسجد اقصٰی پر تولیت کا مسئلہ

مولانا محمد خان شیرانی مسئلہ فلسطین اور ہم

چھوتا باب

سرزمین فلسطین پر گریٹر اسرائیل کے ناپاک عزائم

فلسطین اسرائیل حالیہ جنگی واقعات

سرزمین فلسطین کے مذہبی اہمیت

سرزمین فلسطین پر گزشتہ اور انے والے واقعات کا محتصر تزکرہ

مسجدِ اقصٰی کی پکار اور یہودی سازشیں

سرزمین فلسطین پر محافظین قدس کی فضیلت

مسئلہ فلسطین پر علمائے عرب وہند کی دور اندیشی

اسرائیل پر حماس کی طرف سے ناگہانی حملہ بڑے کامیابی

اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجیے

بائیکاٹ مہم کی طاقت اور ثمرات

یہودی ایجنٹوں کی پہچان اور فلسطین کاز کی اہمیت

اہلِ فلسطین کے ایمانِ افروز واقعات

میرا پیغام جمال ریان الفلسطینی کے نام

فسلطینی ایمان کے اعلٰی درجے پر فائز ہے۔

جہاد کی دینِ اسلام میں اہمیت

دُعا

قنوت نازلہ

"ارضِ فلسطین"

Greater Isreal

گریٹر اسرائیل کے ناپاک عزائم

مسجد اقصٰی پر یہودیوں کا ناجائز قبضہ

سرزمین فلسطین پر ناجائز "اسرائیلی ریاست" نامنظور

بیت المقدس، مسجد اقصٰی، قبتہ الصخرہ تاریخ کے آئینے میں

تاریخی حقائق پر مبنی کتاب

انسائیکلوپیڈیا آف فلسطین

مصنف : پیر مفتی سیّد انور علی شاہ

کمپوزنگ : الیاس الرحمن

انتساب

فاتحینِ مسجد اقصٰی

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

سلطان نورالدین زنگیؒ

خُلفاء سلطنت عثمانیہ

اور حماس کے شہزادوں کے نام

جن مقدس ہستیوں کی بدولت سرزمینِ فلسطین ، مسجد اقصٰی، بیت المقدس اور اس پر رہنے والے مسلمان صدیوں تک یہود و اسرائیل کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے

ان نفوس پر لاکھوں کروڑوں سلام

نظم ارضِ فلسطین

مزاحمت سے وابستہ ہے زندگی میری

میں فلسطیں ہوں ذرا سن لیں کہانی میری

شہیدوں کی پاک خون سے رنگیں ہوں میں

دنیا واقف میری داستان سے فلسطیں ہوں میں

بیت المقدس کی حفاظت کے لئے لڑتا ہوں

بس اس عظیم امانت کے لئے مرتا ہوں

مزاحمت مذمت کا داستاں ہوں میں

بہادری شجاعت کا اِک نشاں ہوں میں

میں فلسطیں ہوں میرا نام ہے غازیوں کا وطن

لوگ کہتے ہیں مجھے پیار سے شہیدوں کا وطن

مرے بچپن لڑکپن جہاد میں گزری

مرے تاریخِ جوانی لہو سے ہیں رنگیں

نہ امریکہ نہ اسرئیل سے ڈرتاہوں میں

ہوں سربکف عالم کفر سے لڑتا ہوں میں

پیر مفتی انور علی کی نظم میں ہوں بیاں

میں حریت و آزادی کا ہوں غمگین داستاں

نظم

تم شہر اماں کے رہنے والے، درد ہمارا کیا جانو
ساحل کی ہوا، تم موج صبا! طوفان کا دارا کیا جانو

آغازِسفر ایمان و یقین، انجامِ عمل اِک شام میں
بن دیکھے حسن کی منزل کو، یہ رستہ پیارا کیا جانو

رستہ ہی یہاں خود منزل ہے، ٹھوکر ہی یہاں اک حاصل ہے
اے سوز وزیاں گننے والوں! کس نے ہے پکارا کیا جانو

ان راہوں میں فردوس بریں، ان گلیوں میں جنت کی مکیں
ان تیکھے اُلجھے رستوں میں، ہیں کون صف آرا کیا جانو

سمجھے ہیں جسے گلزار سبھی، اک آگ ہے عصرِ حاضر کی
تمہید سے تم گزرے ہی نہیں، اب قصہ سارا کیا جانو

تم شہر امان کے رہنے والے درد ہمارا کیا جانو
ساحل کی ہوا، تم موج صبا! طوفان کا دھارا کیا جانو

اے ارضِ فلسطیں تجھے آباد کرنا ہے
یہودوں کی تسلط سے تجھے آزاد کرنا ہے
ہماری دل کی دھڑکنوں میں رہتا ہے تو ہردم
ہماری روح، رگوں رگوں میں بستا ہے تو ہر دم
تو سرزمین انبیاء ہیں تیری شان اعلی ہے
تیری گود میں ہے قدس تیری آن بالا ہے
بیت المقدس کی حصول کیلئے ہم لڑتے رہنگے مرتے رہینگے
ہر باطل سے ٹھکرائینگے آزادی کی جنگ کرتے رہینگے
(پیر سید انور علی شاہ)

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امّا بعد : قال اللہ تبارک و تعالی۔ انّما المومنون اخوۃ (القران)

قال النبیﷺ: المومنون کجسم واحد اذا اشتکیٰ عضو منہٗ اشتکیٰ کلہٗ (الحدیث)

برادرانِ عزیز آج پوری اُمت مسلمہ مختلف مسائل سے دو چار ہیں ۔ وہ آپس میں مشت و گریباں ہے جبکہ یہود و ہنود بلکہ پورہ عالم کفر ان کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر متحد و متفق ہوچکے ہیں۔ جو کہ مسلمانوں کیلئے لمحہ فکر یہ ہے ۔ بقول ایک مرد مجاہد "مسلمانوں کو مختلف قوموں ، ذاتوں اور سیاسی و مذہبی فرقوں میں اسی لئےتقسیم کیا گیا ، تاکہ وہ کسی ظلم کے خلاف متحدہ ہو کر آواز نہ اُٹھا سکیں۔ "

زیر نظر کتاب (ارض فلسطین گریٹر اسرائیل کے ناپاک عزائم)

لکھنےکی کئے اغراض و مقاصد ہے۔ (۱) پہلا مقصد تو یہ ہےکہ ملتِ اسلامیہ مسلمان ممالک ذاتی بغض و عناد ترک کر کے آپس میں متفق و متحد رہیں اور بے گناہ مسلمانوں پر جہاں بھی ظلم ہو رہا ہو اُن کے حق میں یک لحت و یک زبان ہو کر آواز اُٹھا سکیں ۔

انّما المومنون اخوۃ۔ (مسلمان آپس میں بھا ئی بھائی ہے)۔ کا مصداق بن جائیں اور جیسا کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان ایک جسم کے مانند ہے جب جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے کا عملی نمونہ اور مثال بن جائیں۔

(2): دوسرا مقصد یہ ہے کہ آج کے مسلمان نوجوان تاریخ سے بالکل ناخبر ہے ۔ اس بارے میں ایک قلم نگار محمد فرقان (بانی و ڈائریکٹر مرکز تحفظ اسلام ہند) کچھ یو رقم طراز ہے کہ "اہل فلسطین کی داستان تقریبا ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے ۔ جس سے آج ہماری نئی نسل بالکل نا واقف ہے ۔ اہلِ فلسطین کی کہانی روشنائی سے نہیں بلکہ انکئ خون سے لکھی گئی ہے ۔ فلسطین کی ہر چپہ چپہ پر قربانیوں کی ایسی لازوال داستانیں

نقش ہے جس سے وہاں کے باشندوں کی جرات ،ہمت ،غیرت اور استقامت کا پتہ چلتا ہے "

فلسطین کے معصوم بچے، مائیں ،بہنیں ، جوان اور بوڑھیں سب ہی جس ظلم کئ چکئ میں پس رہے ہیں اس کے بارے میں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو بزبانِ حال یہیں کہہ سکتے ہیں ۔ کہ

تم شہر اماں کے رہنے والے! درد ہمارا کیا جانو!

سلحل کی ہوا تم موج صبا طوفاں کا دھارا کیا جانو!

اس میں کوئی شک نہیں کہ فلسطینی مسلمان اب تقریبا ایک صدی سے تکلیف اور ازمائش کی چکی میں پس رہے ہیں اب یہ دنیا کی وہ واحد قوم ہے جو خود اپنے ہی علاقے اور وطن میں مہاجروں کی سی زندگی پر مجبور ہے۔

بیت المقدس کا مسئلہ فقط اہل فلسطین کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے ۔ لہذا ضرورت ہیں کہ ہم اپنی نسلوں کو بیت المقدس اور فلسطین و غزہ کی مجاہدانہ تاریخ سے واقف کرئیں تاکہ ہماری نسلیں بیت المقدس کی حفاظت اور آزادی کیلئے ہمیشہ تیار رہیں۔

اقصٰی کی زمین کو ہم سب مل کے چھڑائیں گے

تاریخ فلسطین ہم گھر گھر میں بتائیں گے

(3) اسی جذ بے کے تحت کتاب لکھنے کی شوق پیدا ہوئی تاکہ ہماری نوجوان نسل تاریخ سے روشناس ہو جائیں اور غیروں کی د جل و فریب سے آگاہ ہو جائیں ۔ فلسطینی مسلما نوں کا درد اپنا درد سمجھیں اور مشکل گھڑی میں اُن کا ساتھ دینئے پر دِل و جان سے آمادہ ہو جائے اور نظریاتی طور پر صحیح مسلمان بن جائیں اور یہ نعرہ زبان پر جاری ہو کہ " سر زمینِ فلسطین پر ناجائز یہودی ریاست نامنظور ہے آخر میں ایک مرد مجاہد کی نصیحتانہ تحریر اور تقریر پر اکتفٰی کرتا ہوں کہ"

ظلم کے خلاف لڑو

لڑ نہیں سکتیں تو لکھو

لکھ نہیں سکتے تو بولو

بول نہیں سکتے تو ساتھ دو

ساتھ بھی نہیں دے سکتے تو

جو لڑ ، لکھ ، بول رہے ہیں ان کی مدد کرو

مدد بھی نہ کرسکو تو کم از کم ان کا حوصلہ مت توڑو،

کیونکہ وہ آپ کے حصے کی لڑائی لڑرہے ہیں

وما علینا الاً البلاغ

(پیر مفتی سیّد انور علی شاہ)

05:07:2023:

اب اتے ہیں مسئلہ فلسطین کی طرف ؛ ہم ارضِ فلسطین کے سیاسی ، مذہبی ، تاریخی اور جعرافیائی اہمیت اور پہلو پر الگ الگ بات کرینگے۔

قارئین کرام : اس بحث سے "دودھ کا دودھ اور پانیٔ کا پانی " یعنی کون حق پر ہے اور کون نا حق پر ہے واضخ ہو جائے گا۔ باقی فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے ۔ کہ "ارضِ فلسطین کسی کی وطن اصلی اور صدیوں سے ملکیت اور جاگیر ہے۔"

قرآن مجید ، احادیثہ مبارکہ ، تاریحی اوراق اور کُتب سے یہ مسئلہ اور مغمہ حل ہو جائیگا ان شاءآللہ اور نام نہاد دانشوروں ، قلم نگاروں ، صحافیوں ، اور مستشرقینوں کے جھوٹ پر مبنی تحریروں اور تقریروں نے اقوامِ عالم اور بالخصوص بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات پیدا کئے ہیں کہ آیا ارضِ فلسطین مسلمانوں کا حق ہے ۔ یا یہودہوں کا یہ شکوک و شبہات ختم ہو جائینگے ان شاءاللہ بعون اللہ تعالٰی ۔ بعض یہودی نواز صحافی ، قلم نگار اور تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ مسئلہ فلسطین سیاسی مسئلہ ہے مذہبی نہیں ۔

کبھی کہتے ہیں کہ یہ سیاسی و مذہبی نہیں تاریخی مسئلہ ہے اس کے جواب میں جب اُمتِ مسلمہ کے ایمان پسند اور اسلام پسند علماء ، صحافی ، قلم نگار ، تاریخ دان دلیل سے یہ واضح کر دیتے ہیں کہ مسئلہ فلسطین خواہ سیاسی ہو مذہبی ہو تاریخی ہو فلسطینی مسلمانوں کا حق ہے۔ تو یہ مذکورہ یہودی نواز طبقہ اپنے قولِ باطل سے مکر جاتے ہیں اور فرار والی راہ احتیار کر لیتے ہیں۔ اسرائیلی منگھڑت روایات کو سہارہ لیتے ہوئے "اسرائیلی ریا ست " کو ارضِ فلسطین پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ جو کہ سراسر باطل اور مضحکہ خیز ہے۔ اس پر ہم بعد میں تبصرہ کرینگے اب اتے ہیں ارض فلسطین کی طرف ، تو قارئین کرام یہ جاننا چاہیے کہ

فلسطین کا معنی کیا ہے؟

سامی زبان میں فلسطین کا معنٰی ہے صاف ستھرا پاکیزہ اور بلند تر مرکز اطلاعات فلسطین (The Palestinian information center)

فلسطین کی طبعی جعرافیائی اہمیت :

فلسطین کا جغرافیہ : فلسطین کا رقبہ 27024 مربع کلو میٹر ہے۔ یہ سرزمین دنیا کے شمالی حصہ میں جنوب مغربی ایشیاء میں واقع ہے ۔ اس کے مشرق میں بحر روم ، شمال میں لبنان، شمال مشرق میں شام ،مشرق میں اُردن اور جنوب میں مصر واقع ہے۔ اس کا شمار مشرقِ وسطٰی کے ممالک میں ہوتا ہے۔

فلسطین جنوب کی جانب سے بحر احمر اور مصر کے صحرائے سینا کی حدود میں واقع ہے۔ فلسطین کے شمالی علاقے جوکہ لبنان اور شام کی سرحدات سے ملتے ہیں کوہستانی ہیں اور جس قدر شمال سے جنوب کی طرف جائیں تو پہاڑی سلسلے کا خاتمہ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ فلسطین کے جنوب میں "نقب" نامی وسیع صحرا موجود ہے جو کہ صحرائےسینا سے متصل ہے ۔ فلسطین کے مشہورپہاڑ کا نام "جرجوق" ہے جس کی بلندی 1208 میٹر ہے۔

فلسطین میں بہنے والی نہریں

نہراردن: یہ شام کی شمالی علاقہ بانیاس سے شروع ہوتی ہے۔ اس نہر کی لمبائی 300 کلومیٹر ہے۔

نہر یرموکَ: اس کی لمبائی 40 کلومیٹر ہے۔

نہرالمقطع: اس کی لمبائی 13 کلومیٹر ہے۔

فلسطین میں چند ایک چھوٹے چھوٹے دریا بھی ہیں ۔ جیسے جنوب مشرقی فلسطین میں 1050 مربع کلومیٹرپر محیط بحر "المیت" شمال میں 105 مربع کلومیٹر وسیع "طبریہ" واقع ہے ۔

بحیرِ روم کے سا حلی علاقوں میں آب و ہوا معتدل ہے جبکہ مشرقی فلسطین کی جانب بتدریج ہوا میں نمی کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ فلسطین کا شمالی علاقہ پہاڑی اور برف پانی ہے جبکہ جنوبی علاقہ انتہائی گرم ہے۔

آبادی اور بڑے شہر :

اعداد و شمار کے مطابق 1987ء تک فلسطنیوں کی تعداد پوری دُنیا میں 50 لاکھ سے زیادہ ہیں جوکہ مقبوضہ علاقوں کے علاوہ دنیا کے 13 مختلف ملکوں میں منتشر ہیں۔ فلسطین میں "غزہ"قدس"السامرہ "اور "حیفا" نامی چار صوبے ہیں جبکہ مشہور شہر "بیت المقدس " بیت اللحم "رام اللہ " غزہ" نابلس "حیفا " یا فا " اور طولکرم ہیں ۔ موجودہ تخقیق کے مطابق ان مزکورہ شہروں کے علاوہ اور شہریں بھی ہے جس کے نام یہ ہیں ۔ "البیرہ " الخلیل" حنین " قلقیلیہ " طوباس" سلفیت" المجدل " بیساں " عکا" الناصرہ "

فلسطین کی اقتصادی اور جیوپو لیٹیکل اہمیت :

فلسطین قدرتی ذخائر سے مالامال علاقہ نہیں، معدنیات میں سے پوٹاشیئم ، مینگنیز، سوڈیم ، اور "بحرالمیت " کابرومین قابلِ ذکر ہیں ۔ پوٹاشیئم کے اعتبار سے یہ دنیا کا مالدار ملک ہے۔ سرزمین فلسطین کا ایک تہائی حصہ قابل کاشت ہے اور یہاں کی اکثریت کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی ہی ہے

فلسطین کوکئے اعتبار سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ملک (strategy) عالمی اور علاقائی حکمت عملی سے ایشیاء کو افریقہ سے ملانے والا ایک پل ہے اور جزیرہ نمائے عرب کو بحرِ روم سے ملاتا ہے۔ اس علاقہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے استعمار نے دو اہم عرب علاقوں کے درمیان جدائی ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کیا۔

ارضِ فلسطین کی تاریخ

الف ۔ ارضِ کنعان اور فلسطین

زمانہ قدیم میں سرزمین فلسطین ارضِ کنعان کے نام سے مشہور تھی اور اسی نام سے پہچانی جاتی تھی کیونکہ کنعانیوں نے 2500 سال ق۔ ب۔ م میں جزیرہ العرب سے ہجرت کرکے اس علاقہ میں سکونت اختیار کی تھی ۔ کریتی قبائل (1) نے 1300 سال ق ۔ ب ۔ م میں ارض کنعان پر حملہ کیا اور غزہ اور یافا کے در میان ساحلی علاقہ

میں قیام کیا کنعانیوں اور کریتی قبائل کے ادغام سے اس پورے علاقہ کیلئے فلسطین کا نام استعمال ہونے لگا ۔

ب ۔ فلسطین کی جانب یہودیوں کی ہجرت

تقریبا **300** سال از قبل مسیح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے اور شام کے راستہ سے ہوتے ہوئے سرزمین قدس چل پڑے ۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا کہ بیت المقدس میں داخل ہو جائیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان بزبان قرآن آیت مبارک

یقوم ادخلوالارض المقدستہ التی کتب اللہ لکم ولاترتدُو علٰی ادبارکم فتنقلِبوا خٰسرین (المائدہ ایت **21**)

ترجمہ ۔ اے میری قوم اس ارض قدس میں داخل ہو جاو جسےاللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ اور میدان سے اُلٹے پاؤں نہ پلٹ جاؤ کہ خسارہ والوں میں سے ہو جاؤ گے ۔

لیکن اس صریح حکم کے باوجود بھی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی کیونکہ وہ لوگ "قوم عمالقہ" سے الجھنا اور جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے جو کہ اس سرزمین پر رہتے تھے ۔ لہذا انہوں نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام سے

کہا: قالوا یا موسیٰ اِنا لن ندخلہا ابدا ما داموا فیہا فاذہب انت و ربک فقاتل انا ھہنا قاعدون (الایت **24** المائدہ)

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا کہ موسیٰ ہرگز ہم وہاں داخل نہ ہوگے جب تک وہ لوگ وہاں ہیں آپ اپنے پروردگار کے ساتھ جاکر جنگ کیجئے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں

اسی نافرمانی کی وجہ سے چالیس سال تک بنی اسرائیل پر اس شہر میں داخلہ خرام کردیا گیا۔

قال فانہا محرمتہ علیہم اربعین سنت یتیہون فی الارض فلا تاس علی القوم الفسقین (المائدہ ایت ۔ **26**)

ترجمہ: ارشاد ہوا کہ اب ان پر چالیس سال خرام کردیے گئے کہ یہ زمین میں چکر لگاتے رہیں گے۔ لہٰذا تم اس قوم پر افسوس نہ کرو۔ یکے بعد دیگر حضرت موسٰی اور ہارون علیہم السلام نے اس دُنیا ئے فانی سے کوچ کیا اور ان کی قوم 40 سال تک تیہ کے بیابان میں سرگردان رہی۔ اس دوران پرانی نسل کا خاتمہ ہوگیا اور نئی نسل وجود میں آگئی جس کی سربراہی یوشع بن نون کے ہا تھ میں تھی۔ انہوں نے نئی نسل کو بیت المقدس میں داخل ہونے پر اُکسایا ۔ مقدس سرزمین میں داخل ہوتے وقت "اریحا" کے مقام پر "عمالقہ" کی ساتھ ان کی جھڑپ ہوئی اور ان کو شکست دینے کے بعد وہ لوگ "قدس " میں داخل ہوگئے ۔ یوشع بن نون کی وفات کے بعد حضرت طالوت اور ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے 40 سال تک ان کی سربراہی کی اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام حاکم ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد فلسطین دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ (1) جنوب میں یہودا جس کا دارالخلافہ "یروشلم" تھا ۔ (2) شمال میں اسرائیل جس کا مرکز "شکیم" تھا۔ بنا بریں حضرت داؤد علیہ السلام نہ مملکت اسرائیل کے بانی تھے اور نہ ہی انہوں نے سب سے پہلے یروشلم کو دارالخلافہ قرار دیا اور نہ ہی مسجد القصٰی کی تعمیر آپ علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی بلکہ اسلامی روایتوں ، تاریخی شواہد اور آیاتِ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصٰی حضرت موسٰی علیہ السلام کے زمانے سے موجود تھاا۔ قارئین کرام : مزکورہ بالا اقتباسات سے آپ جان گئے ہونگے ۔ کہ اسرائیل کا مسجدِ اقصٰی پر قبضہ اور تولیت ناجائز ہے سرزمین فلسطین اور مسجد اقصٰی کے اصل حقدار فلسطینی مسلمان ہے۔

ت: مسلمانوں کے ہاتھوں فلسطین کی فتح

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلیفئہ اول نے شام (جس میں موجودہ شام اور فلسطین شلمل تھا) کی جانب لشکر روانہ کیا جو کہ رومیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس لشکر کے سپہ سالار اسامہ بن زید تھے۔ جنہوں نے کافی دور تک پیش قدمی کی اور اردن کے نزدیک پہنچ گئے لیکن مدینہ میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے یہ لشکر واپس لایا گیا۔ بالا آخر خلیفہ دوم کی خلافت کے زمانہ میں بیت المقدس کے رہنے والوں اور خلیفہ دوم کے درمیان ایک معاھدے کے ذریعہ بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ۔ حضرت عمر بن حطاب رضی اللہ عنہ نے وہاں کے شہریوں کے مطالبہ پر حکم دیا کہ کسی یہودی کو بیت المقدس میں رہنے کا حق نہیں ہوگا ۔ اس کے مقابلے میں وہاں کے عسیائیوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

قارئین کرام : یہاں پر بھی ایک بات عرض کردینا چاہتا ہوں کہ آج کل کے نام نہاد سکالرز اور کچھ بے دین دانشور یہ نقطہ اُٹھاتے ہیں کہ فلسطین پر اسرائیل کا حق ہیں اور آئے روز یہودیوں کے حق میں بیانات دیتے ہیں ۔ میں ان لوگوں کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ 1400 یا 1500 سال پہلے تمام اقوامِ عالم کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلا جو انہوں نے فلسطینیوں کی حق میں اور یہودیوں کے خلاف دیا تھا۔ منظور تھا آپ کو آج منظور نہیں ۔ آپ اس مسئلہ کی نزاکت اور تاریخی حقائق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ جانتے ہیں یا آپ عدل اور انصاف میں ان سے بڑھ کر ہے ۔ پوری دنیا سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انصاف مان چکی ہے اور ان کی منصفانہ فیصلوں پر خود تاریخ شاھد ہے ۔ عرض یہ کہ اس ساری خقیقت معلوم ہونے کے باوجود اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حق میں بیانات دینا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یا تو آپ کو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر اعتماد نہیں ہیں جو کہ جہالت اور بے دینی کی علامت ہے یا اسرائیل کے لے نرم گوشہ رکھتے ہوں جو آپ کی بے ایمانی اور منافقت پر دال ہیں ۔ "فلسطین پر مکمل قبضہ کے بعد کئ عرب قبائل وہاں پر سکونت پزیر ہوگئے۔ غیر عرب لوگ بتدریج عرب قبائل میں ضم ہوگئے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ خطہ مکمل طور پر ایک عرب علاقہ میں تبدیل ہوگیا۔ امویوں کے دور میں فلسطین دمشق کے تابع ہوا۔ اس زمانہ کے باقی ما ندہ تعمیرات میں سے ایک "قبتہ الصخرہ " ہے (قبتہ الصخرہ پر میں بعد میں تفصیلی بحث کرونگا اگلی صفحات میں انشاءاللہ) جسے عبدالملک بن مروٰن کے حکم پر 70 ھ میں تعمیر کیا گیا ۔ عباسی دور میں فلسطین عراقی حکومت کے ما تحت رہا اور بنو عباس اور بنو امیہ کے درمیان ایک جنگ بھی اس علاقہ میں لڑی گئی جس میں عباسیوں کو فتح حاصل ہوئی ۔

فاطمیوں کی خلافت کے دوران یہ علاقہ مصرکا رہا ۔ اگر چہ سلجوقی حکومت کا دائرہ ایشیائے صغیر، شام اور فلسطین تک پھیل گیا تھا اور قدس پر ان کا قبضہ بھی رہا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دوبارہ فاطمیوں نے قدس پر اپنا قبضہ بحال کر لیا ۔ بعد میں صلیبی لشکر نے قدس پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ۔

فلسطین صلیبی جنگوں کے دوران

472 ھ (1097ء) میں یورپی پاعریوں کے اکسانے پر تقریبا ڈیڑھ لاکھ عسیائی یورپ کے مختلف شہروں سے جمع ہوئے اور فلسطین کی جانب چل پڑے تاکہ اپنے عقیدہ کے مطابق **حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قبر کو مسلمانوں سے چھین لیں اس لشکر نے**

اپنے راستہ میں آنے والی کئی مسلمان شہروں کو تباہ و برباد کردیا ۔ چونکہ سلجوقیوں کے ساتھ جنگ کی وجہ سے فاطمیوں کی طاقت میں کافی حد تک کمی آگئی تھی، اس لئے وہ عیسائیوں کا مقابلہ نہ کر سکے جس کے نتیجہ میں 478ھ (1099) میں بیت المقدس عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ بالاخر 670ھ (1291ء) میں مسلمانوں کے کامیابی کے ساتھ صلیبی جنگیں اپنے اختتام کو پہنچیں صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد دسویں صدی ہجری کی ابتدا تک یہ ملک مصری سلطنت کا حصہ تھا ۔

فلسطین عثمانی دور میں

923ھ 1517ء میں جب عثمانی ترکوں نے مصر پر قبضہ کیا تو فلسطین بھی عثمانی سلطنت میں شامل ہو گیا اور تقریبا چارسو سال تک یہ علاقہ عثمانی سلطنت کا اک غیر اہم حصہ شمار ہوتا رہا اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں نپولین نے اس علاقے پر حملہ کیا ۔ بتدریج فلسطین پر سے عثمانی کنٹرول کم ہوتا چلا گیا اور عثمانی سلطان کی جانب سے منصوب مصری حاکموں نے (جو خود کو خد یو کہلواتے تھے) فلسطین کا انتظام کی تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ فلسبین ایک اسلامی اور عرب سرزمین ہی ہے اور یہودیوں کے اس دعویٰ کی نفی کرتی ہے کہ یہ سرزمین یہودیوں سے متعلق ہے۔

صہیونزم کی پیدائش

صہیونزم کا لفظ "صہیون" سے ماخوذ ہے جس کے معنٰی خشک پہاڑی ہے ۔ یہ قدس شہر کے جنوب مغرب میں واقع ایک پہاڑی کا نام ہے جس میں مختلف قسم کی مذ ہبی اور تاریخی عمارتیں واقع ہیں یہودیوں کے بعض افسانوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یہودی قوم کا نجات دہندہ یعنی (دجال ملعون) اس پہاڑی سے ظاہر ہونے کے بعد ان کے عظیم طاقت کو پوری دنیا پر پھیلا دے گا ۔ یغنی یہود گریٹر اسرائیل کا خواب دیکھ رہے ہیں جو کہ کبھی بھی پورا نہیں ہوگا انشاءاللہ

صہیونزم کی پیدائش کی تاریخ

بعض کتابوں کے مطابق 1897ء میں سویٹزرلینڈ کے شہر "بال" میں منعقد ہونے والی کانفرس میں صہیونیت کی ابتدا ہوئی جب کہ باقاعدہ طور پر سیاست کی دنیا میں اس لفظ کی آمد سے بہت پہلے ہی عملی طور پر صہیونیت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی اور بال

کانفرس صرف صہیونزم کی سرگرمیوں کا علٰی اعلان آغاز شمار ہوتا ہے ۔ اگر چہ صہیونزم کے بعض مظاہر انیسویں صدی کی تاریخ میں بھی نظر آتی ہیں بے شک گذشتہ دور میں صہیونیت اور صہیونی کی اصطلاح موجودہ دور کی صورت میں نہیں تھی لیکن صہیونیوں کی خصوصیات ان کی صفات اور مقاصد کو دیکھا جائے تو اس کی تاریخی حیثیت آشکارہ ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر دسویں صدی عیسوی کے بعض یہودی رہنماؤں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ "ارضِ معود" سے ان کا لگاؤ کس قدر شدید ہے ۔ چھٹی صدی ہجری (باروپں صدی عیسوی) میں " قومِ خزران" کے درمیان ایک تحریک " مسیح موعود" کے نام سے شروع ہوئی جو کہ فلسطین کی تسخیر کے لئے ایک اور صلیبی جنگ شروع کروانے میں ناکام رہی ۔ فلسطین کی جانب ہجرت کرنے سے پہلے یہودیوں کے پاس خود کوئی مستقل سرزمین نہیں تھی اور وہ دوسری قوموں کے درمیان منتشر ہوکر پوری دنیا میں زندگی گزار رہے تھے ۔ اسی وجہ سے وہ لوگ دوسری قوموں خاص طور پر عیسائیوں کی جانب سے ظلم و ستم کا شکار بنے رہتے تھے کیونکہ ان دونوں گروہوں کی دشمنی بہت قدیم اور دیرینہ تھی۔

فلسطین کی سٹریٹجیکل اہمیت اور استعمار کی لالچ

سامراجیوں نے انیسویں صدی میں ہی اس سرزمین کی اہمیت کی وجہ سے اس پر کنٹرول کرنے کی سازشیں کرنا شروع کردی تھیں ۔ "نپولین بوناپارٹ " نے مشرقی سلطنت کے قیام اور علاقہ میں برطانیہ کے رسوخ کا مقابلہ کرنے کیلئے فلسطین کے علاقہ میں اپنی ماتحت ایک یہودی حکومت کے قیام اور فلسطین پر حملہ کرنے کیلئے یورپ اور ایشیاء کے یہودیوں کو اپنے لشکر میں بھرتی کرنا شروع کیا تھا۔

1827ء میں ایک برطانوی یہودی نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادی اور بحرِ روم کے ساحلوں کو خلیج فارس سے ملانے کے لئے "یافا" سے خلیج فارس تک پٹڑی بچھانے کی تجویز پیش کی اور برطانیہ نے 1838ء میں بیت المقدس میں پہلا یورپی قونصل خانہ قائم کیا ۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں نہرِسوئز کے کھل جانے پر برطانیہ کی جانب سے مصر پر قبضہ ، عثمانی سلطنت کی ٹوٹ پھوٹ اور برطانیہ ، فرانس ، جرمنی اور روس کے درمیان استعماری رقابت کی وجہ سے اس خطہ کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ برطانیہ ، فرانس، ہالینڈ، بیلجم ، پرتگال، اسپین اور اٹلی نے جرمنی کے

اثر و رسوخ کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے 1907ء میں ایک نشست ترتیب دی جس میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر جرمنی نے بحرِ روم کے سا حلی علاقوں پر قبضہ کر لیا تو یہ ان ممالک کے لئے بڑا خطرہ ثابت ہوگا اور ان کے نو آبادیاتی علاقہ یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھوں سے نکلتے چلے جائیں گے۔ اس کانفرس میں تجویز پیش کی گئی کہ اس مسلمان علاقہ(ارضِ فلسطین) کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے۔

عالمی صہیونی تنظیم کے اقدامات

ارضِ فلسطین پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے صہیونیوں نے برطانیہ کے ساتھ منصوبہ بندی شروع کردی ۔ مسلمانوں کے درمیان اس سرطانی غد ود کی پیدائش میں موثر کردار ادا کرنے والے ایک یہودی کا نام " تھیوڈو ہرٹزل" تھا۔ وہ "بڈاپسٹ" کا رہنے والا ایک صحافی تھا۔ "روجےگارودی" کے مطابق ہرٹزل خدا اور مذہب دونوں کا منکر تھا ۔ حتٰی کہ وہ ان لوگوں کا بھی شدید مخالف تھا جو یہودیت کو ایک مذہب سمجھتے تھے۔ وہ بقول خود "ہریفوس" کے واقعہ سے سخت متاثر ہوا اور اس نے "یہودی حکومت" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ یہودی وطن کے قیام کے لئے کوششیں کریں۔

ہرٹزل کے اُکسانے پر کچھ یہودی سویٹزرلینڈ کے شہر "بال" میں جمع ہوئے اور انہوں نے ایک کانفرنس میں "عالمی صہیونی تنظیم" کی بنیاد رکھی ۔ ہرٹزل اس کانفرنس کے نتائج کے بارے میں لکھتا ہے اگر ہم چاہیں کہ بال کانفرنس کے نتیجہ کو ایک جملہ میں بیان کیا جائے کہ جس میں ہر گز راز فاش نہیں " کروگا تو صرف یہ کہوں گا کہ میں نے بال میں یہودی حکومت کی بنیاد رکھ دی"

صہونیوں کی سرگرم ڈپلومیسی

صہیونیوں نے مختلف اور متضاد سیاسی افکار رکھنے والی حکومتوں سے مزاکرات شروع کئے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کا وعدہ کر کے مدد کا مطالبہ کیا۔ اس کام میں "ہرٹزل" نے سرگرم کردار ادا کیا اور ایک سال کے دوران سات یورپی حکومتوں سے رابطہ کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ان کے ساتھ تعاون کریں تو صہیونی تنظیم ان کے مفادات کا تحفظ کرے گی۔ ہرٹزل ، جرمنی اور عثمانی حکومتوں کو فلسطین کی

جانب یہودیوں کی نقل مکانی پر راضی نہ کرسکا جس کے جواب میں انہوں نے عثمانی سلطنت کے خلاف بڑے پیمانے پر پروپیگندہ مہم شروع کردی ۔ اگر چہ ہرٹزل ، عثمانی اور جرمن حکمرانوں کی حمایت حاصل نہ کر سکا لیکن اس نے سازشیں اورسامراجی حکومتوں کے ساتھ مزکرات جاری رکھے ۔ چنانچہ وہ برطانیہ پہنچا اور کچھ کامیابیاں بھی حاصل کیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ایشیائی نو آبادیوں پر کنٹرول قائم رکھنے کے لے برطانیہ ، مشرق وسطیٰ کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھا اور وہاں یہودی غلبے کو اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے بہتر سمجتا تھا ۔ادھر یہودیوں کو ایک وطن کی تلاش تھی اور فلسطین کے علاوہ یوگنڈا، قبرص ، تریپولی (لیبیا) اور ارجنٹائن کی سرزمین بھی ان کی نگاہ میں تھی لیکن فلسطین کی اسرائیلی اہمیت کی وجہ سے برطانوی بادشاہت نے اس حساس علاقہ پر اپنا کنٹرول قائم رکھنے کے لئے یہودی مخالفت سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

فلسطین پر قبضہ کے لئے برطانوی اقدامات

برطانوی کابینہ کی منظوری

برطانیہ نی پہلی جنگِ غظیم کے آغاز کے ساتھ ہی فلسطین کے معاملہ میں اہم کردار ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ "ہربرٹ سموئیل " (برطانوی حکومت کا یہودی اور صہیونی وزیر) نے 1915ء میں برطانوی تسلط پر زور دیا تھا۔ اس کی اساس فلسطین کو یہودی مملکت بنانے پر تھی ۔ چنانچہ اس نے اس سرزمین پر یہودیوں کی آباد کاری اور ان کی خود مختاری کا بھی مطالبہ کیا تھا۔

عثمانی خلافت میں تفرقہ آندازی

جب پہلی جنگِ عظیم میں عثمانی حکومت نے جرمنی کی حمایت کی تو برطانیہ نے "شریف حسین" کی دلجوئی کی اور عربوں کو اپنی حمایت پر اکسایا ۔ اس منصوبہ کے مطابق اگر عرب ، عثمانی ترکوں کے خلاف تحریک چلائیں تو برطانیہ کو دنیائے اسلام کی خلافت کو عربوں میں منتقل کرنے اور انہیں عثمانی ترکوں سے نجات دلانے میں ان کی حمایت کرنا تھی ۔ برطانیہ کا ہدف یہ تھا کہ علاقہ میں ترک افواج کو کمزور کرتے ہوئے نہرسویز پر سے دباؤ کم کیا جائے اور عراقی تیل کی دولت کو خطرے سے بچایا

جائے ۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمنوں کے اتحاد کی روک تھام کرے اور عثمانی حکمرانوں کے جہاد کے فتویٰ کو غیر موثر کردے۔

امریکی صہیونیوں کو فلسطین میں ملوث کرنا

برطانوی حکومت کا ایک اور اقدام امریکی صہیونیوں کو فلسطین کے معاملہ میں شامل کرنا تھا۔ برطانیہ کی کوشش تھی کہ جرمنی سربراہی میں اتحادیوں کو شکست دینے کے لئے کسی طرح امریکا کو بھی میدان جنگ میں لے آئے ۔

اس مقصد کے لئے برطانیہ نے امریکی حکومت میں اثر و رسوح رکھنے والے امریکی صہیونیوں سے فائدہ اُٹھایا۔ اس سیاسی لین دین میں برطانیہ نے وعدہ کیا کہ وہ یہودی حکومت کی تشکیل کے لئے صہیونیوں کی اس دیرینہ آرزو کی حمایت کرے گا۔ بالآخر اس وقت کے برطانوی وزیر خارجہ " لارڈ بالفور" نے درج ذیل اعلان کیا جس میں صہیونی درخواست پر برطانوی دلچسپی کا اظہار کیا گیا تھا۔ عزیزم لارڈ روچیلڈ ! انتہائی مسرت کے ساتھ برطانوی شہنشاہی حکومت کی جانب سے مکمل صراحت کے ساتھ درج ذیل وعدہ آپ تک پہنچا تاہوں ۔ یہ وعدہ یہودی صہیونی حمایت کی اس درخواست کا جواب ہے جو اس وزارت کو ملی ہے اور اس سے موافقت کی گئی ہے ۔ برطانوی شہنشاہی حکومت ، فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کی تشکیل میں مخصوص نظریات رکھتی ہے اور مستقبل میں اس ہدف تک پہنچنے اور اس کے وسائل کی فراہمی میں پوری کوشش کرے گی ۔ یہ بھی واضح ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے غیر یہودی فلسطینوں کئ اجتماعی اور مذہبی حقوق اور تمام ممالک میں یہودیوں کے سیاسی حقوق اور امتیازات کو نقصان پہنچے۔

بالفور اعلان کے شائع ہونے کے بعد عربوں نے ردعمل کا اظہار کیا لیکن برطانوی حکومت نے اپنی مکارانہ سیاست اور جھوٹے وعدے کے ذریعہ ان کے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کردیا ۔ تا ہم برطانیہ نے سامراجی حکومتوں اور مغربی سرمایہ داری نظام کے نمائندہ کی حیثیت سے اپنے اقدامات کے ذریعہ عرب دنیا اور عالمِ اسلام کے قلب میں اسرائیلی حکومت کے قیام کے ابتدائی امکانات بھی فراہم کے۔ (بشکریہ : سالانہ "القدس" کراچی ۔ شمارہ 2006)

قارئینِ کرام: "مزکورہ بالا اقتباسات کے پڑھنے سے آپ بخوبی جان گئے ہونگے کہ کس طرح ایک سوچھے سمجھے منصوبے کے تحت یہودی لابی سرزمینِ فلسطین پر قابض

ہوچکے ہیں اور ان ظالموں کے ہاتھوں فلسطینی مسلمان جو اس ملک کے اصل باشندے ہیں دربدر کی زندگی کاٹنے پر مجبور ہیں ۔ برطانیہ ، امریکہ ، فرانس، اٹلی ، سوئزرلینڈ اور کئے یہودی نواز ممالک نے صہیونیوں کیساتھ مل کر فلسطینی مسلمانوں کے سینوں میں حنجر گونپ کر رکھا ہے۔ اور یہی شیطانی ممالک سرزمین فلسطین پر نا جائز یہودی اسرائیلی ریاست کے قیام میں ملوث اور سر فہرست ہیں ۔ اسرائیل کی پشت پر صدیوں سے برطانیہ اور امریکہ کھڑا ہے۔ آج سرزمین فلسطین ، بیت المقدس ، مسجد اقصیٰ اسرائیلی قبضہ میں ہے اور اس جرم میں امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ برابر کے شریک ہیں۔ یہ دنیا میں ایک ایسا انوکھا جرم ہے جو نہ لفظوں میں اور نہ کسی اور صورت میں چھپایا جاسکتا ہے ۔ اس جرم میں شریک ممالک اور شخصیات خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے خود بخود اشکارہ ہو جاتے ہیں"۔ آب آتے ہیں مسجدِ اقصیٰ اور قبتہ الصخرہ کی طرف اس پر کچھ تفصیلی بات کرینگے کہ ان دونوں کی تاریخی و مذہبی حیثیت و اہمیت کیا ہے؟

مسجدِ اقصیٰ ، قبتہ الصخرہ تاریخ کے آئینے میں

مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کی تاریخ ،اقوامِ عالم کے عروج و زوال کی داستان ہے۔ مختلف ادوار میں مختلف اقوام کو سطوت ، شوکت اور حکومت سے سر فراز کیا، مگر جب بھی کوئی قوم کفران نعمت کرتے ہوئے فساد فی الارض کا باعث بنی تو اسے صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا یہی اللہ کی سنت ہے۔ اللہ تعالٰی قران شریف میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں " کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی قومون کو ہم ہلاک کرچکے ہیں جن کا اپنے اپنے " زمانے میں دور دورہ رہا ہے؟ ان کو ہم نے زمین میں اقتدار بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشا ہے ان پر ہم نے آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہا دیں۔ مگر جب انہوں نے کفران نعمت کیا تو آخر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تباہ کردیا اور ان کی جگہ دوسرے دور کی قوموں کو اُٹھایا (الانعام 235)

معلوم انسانی تاریخ میں جس قوم کو مسلسل عروج و زوال کا سامنا رہا ہے وہ بنی اسرائیل ہے۔ یہ عروج و زوال مادی بھی تھا اور روحانی بھی ۔ ابتداء میں بنی اسرائیل اللہ تعالٰی کا پسندیدہ گروہ تھا اور اسے دیگر اقوام پر فضیلت بخشی گئ ۔ اللہ تعالٰی فرماتا

ہے : اے بنی اسرائیل یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ " میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی" (البقرہ47)

اللہ تعالٰی کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے بجائے بنی اسرائیل سرکشی پر اُتر آئے اللہ کی آیتوں کی تکذیب اور انبیا، کا قتل انہوں نے اپنا شعار بنالیا ۔ بالاخر اللہ تعالٰی نے زلت و مسکنت ان پر مسلط کردی ۔ اللہ تعالٰی ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ زلت و خواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ نتیجہ تھا "اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے ۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدودِ شرع سے نکل جاتے تھے ۔ (البقرہ 41)

اس ضمن میں ایک قابل عبرت پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالٰی کی گرفت نے انہیں یکدم ہلاکت میں مبتلا نہیں کردیا بلکہ انہیں وقتا فوقتا عزابِ الٰہی کا "مزا" چکھا نے کے لے تا قیامت باقی رکھنے کا مژدہ بھی سنایا۔

" اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کردیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر "مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے۔(الاعراف 127)

فی زما نہ بنی اسرائیل کا عروج اور عالم اسلام کے بھر پور احتجاج کے باوجود عالم عرب کے قلب میں اسرائیلی ریاست کا قیام اللہ تعالٰل کی سنت کے برخلاف نہیں بلکہ عین اس کے مطابق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰل اس حقیقت سے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہے کہ اگر انہیں کچھ عرصہ دنیا میں امن میسر آیا بھی تو یہ اللہ تعالٰی کے کرم کے سبب ہوگا یا پھر انسانوں سے بعض کے رحم یا اسلام دشمنوں کے تعاون کا نتیجہ ہوگا۔

جیسا کہ اللہ تعالٰی خود فرماتا ہے۔ یہ جہاں بھی گئے ان پر ذ لت کی مارہی پڑی کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو(یہ اور بات ہے)(العمران :112)

یعنی دنیا میں اگر کہیں ان کو تھوڑا بہت امن نصیب ہوا بھی ہے تو وہ ان کے اپنے بل بوتے پر قائم کیا ہوا امن و چین نہیں ہے بلکہ دوسروں کی حمایت اور مہربانی کا اثر ہے ۔ کہیں کسی مسلم حکومت نے ان کو اللہ کے نام پر امان دے دی اور کہیں کسی غیر مسلم نے اپنے طور پر انہیں اپنی حمایت میں لے لیا ۔ اسی طرح اوقات انہیں دنیا میں کہیں زور سے نہیں بلکہ محض " بپائے مروی ہمسایہ" یہی اس یہودی ریاست کی حیثیت ہے جو اسرائیل کے نام سے محض امریکا، برطانیہ اور روس "سابقہ" کی حمایت سے

قائم ہوئی ۔ قارئین کرام:" آپ حیران ہونگے کہ روس تو امریکہ اور برطانیہ کے مخالف ملک ہے۔ تو یہ اسی دور کی بات ہے جب روس میں تقریبا 1950ء 1960ءعیسوی تک یہودی اباد تھیں اور ان کی تعداد اسی وقت تقریبا 30 لاکھ بتائی جاتی ہیں۔ زارِ روس کو قتل ہونے کے بعد یہودی وہاں سے زور زبردستی نکالے گئے۔ یہ ایک الگ طویل داستان ہے اگر موقع ملا تو اس پر بھی بحث کرینگے" ۔ انشاءاللہ

ارضِ فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام مسلمانوں کے لے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ مسئلہ فلسطین محض زمین کا جھگڑا نہیں بلکہ مسلمان اس سرزمین سے روحانی تعلق رکھتے ہیں کیونکہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ سابقہ ہے ۔ حضورﷺ نے اس جانب رُح کرکے نماز ادا کی ۔ جبکہ حرم کعبہ کے بعد اس سرزمین کو اللہ تعالٰی نے برکتوں والی سرزمین کہا ہے ۔ " اور ہم اسے اور لوط علیہ السلام کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کیلئے برکتیں رکھی ہیں (الانبیاء 71)

علاوہ ازیں اسرا و معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اول مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تشریف لائے بعد ازاں یہیں سے آسمانوں کی جانب سفر کا آغاز کیا۔ فرماتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جولے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے " ماحول کو اس نے برکت دی تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے" (بنی اسرائیل۔ 1)

احادیثِ مبارکہ میں بھی بیت المقدس کے فیوض و برکات کا ذکر ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (مفہوم) دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں جن کے سوا کسی مسجد کے لئے رحتِ سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام ، مسجد اقصٰی (بیت المقدس) اور میری مسجد مسجد نبوی ﷺ (بخاری و مسلم)

اسی کے ساتھ ساتھ جلیل القدر انبیاء حضرت ابراھیم ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بھی اسی سرزمین سے نسبت ہے اسی لئے بجا طور پر اسے " انبیاء کی سرزمین " کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اصحابِ رسولﷺ کی ایک قابل ذِکر تعداد بھی اسی برکتوں والی زمین میں اسودہ خاک ہے۔ مذ کورہ روحانی و فکری اور جزباتی وابستگی کے علی الرغم مسلم حکمرانوں کی کم ہمتی اور بے حمیتی نے یہ روز سیاہ بھی دکھایا جب اسرائیل نے اپنے قیام کے 19 سال بعد ہی جون 1967ء میں مسجد

اقصیٰ پر بھی قبضہ کرلیا ۔ یہودی مسجدِ اقصٰی (بیت المقدس) کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے خواہاں ہیں اور ان کی یہ خواہش دو ہزار سال پر محیط ہے۔ یہودیوں نے اپنی اس خواہش کی آگ میں جلتے ہوئے مسجدِ اقصٰی ہی کو پھونک ڈالنے کی جسارت کی ۔ بعدازاں ہیکل کے کھنڈرات کی تلاش کے نام پر القدس کی بنیادوں کے ساتھ سرنگیں کھودی گئیں اور اب اگلے مرحلے میں مسجدِ اقصٰی کو یکدم منہدم کرنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ اپنی اس شیطانی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہودیوں نے ہر دو طرح کے میڈیا کو استعمال کیا ہے ۔ وہ اس طرح کہ گزشتہ طویل عرصہ سے اخبارات و رسائل اور مختلف ٹی وی چینلز پر جب بھی القدس سے متعلق کوئی خبر یا رپورٹ شائع یا نشر کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی سنہرے گنبد والی ایک خوبصورت عمارت بطور مسجدِ اقصٰی پیش کی جاتی ہیں۔ یہودیوں نے اپنی دھوکا یہی صرف پرنٹ اور الیکٹرانک میڈکا تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ امریکہ میں بعض مقامات پر اس سنہرے گنبد والی عمارت کی تصاویر کہیں مفت اور انتہائی ارزاں قیمت پر فروخت کیں۔ جنہیں مسلمان بخوشی اپنے ڈرائنگ روم اور دفاتر کی زینت بناتے رہے۔

یہودیوں کی اس ہمہ گیرمہم کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی ایک بڑی تعداد بشمول مسلمان سہنرے گنبد والی عمارت کو ہی مسجدِ اقصٰی سمجھتی ہے۔ ٖغیر مسلم ممالک کا تو ذکر ہی کیا عالم اسلام میں "مسئلہ فلسطین" پر شائع ہونے والی کتب و رسائل کے سرورق پر بھی یہی سہنری گنبد والی عمارت نظر آتی ہے۔ یہ بات باعثِ فکر ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ ہیں جس کے سبب یہودیوں کو ایک دوسری عمارت بطور " بیت المقدس " پیش کرنے کی ضرورت آئی اس سوال کا جواب دینے سے قبل ہمیں صہیونی دماغ کی فتنہ سازی کا اعتراف کرنا پڑے گا ۔ جس نے اپنے جانی دشمن " ہٹلر" کے وزیر اطلاعات گوےبلز کے اس معقولے کو حقیقت کا روپ دے دیا کہ " جھوٹ اتنے تو اتر سے بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے"۔

یہودیوں کی اس ساری جعلسازی کے پس پشت کئی ایک مقاصد کام کر رہے ہیں جن میں سے اہم ترین مقصد تو یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسجدِ اقسٰی کو " نعوذباللہ " منہدم کردیا جائے تو عالمی ردِعمل کو بالعموم اور مسلمانوں کے ردِعمل کو بالخصوص ہر دو طرح کے میڈیا پر سنہرے گنبد والی عمارت صحیح حالت میں دکھاکر فرو کیا جاسکے اور جب تک دنیا کو حقیقت حال معلوم ہوگی پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہوگا۔

اب ہم زیر بحث موضوع کے دوسرے حصے کا جائزہ لیں گے کہ " سہنرے گنبد والی عمارت " درحقیقت ہے کیا اور تاریخ اس ضمن میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔

سہنری گنبد والی عمارت " قبۃ الصخرہ"

سنہری گنبد والی عمارت قبۃ الصخرہ کہلاتی ہے۔ قبہ گنبد اورصخرہ بمعنی چٹان یعنی وہ عمارت جو چٹان پر تعمیر کی گئی ، " صخرہ " پر عمارت کی تعمیر کی تاریخ سے قبل خود "Rock" (صخرہ) کا تاریخ پس منظر بیان کیا جانا ضروری ہے تاکہ زیر بحث موضوع کی تفہیم میں مدد مل سکے۔

صخرہ کا حدود اربعہ

بیت المقدس کے وسیع رقبے کے ایک حصے میں واقع یہ چٹان 56 فٹ لمبی اور 42 فٹ چوڑی ہے۔ علم طبقات کی سطح مرتفع کی زیادہ سخت قسم کی سرمئی رنگ کی چٹانوں کا حصہ ہے۔ چٹان کے ایک طرف باہر نکلے ہوئے حصے کو " السان الصخرہ " (یعنی صخرہ کی زبان کہتے ہیں)۔

صخرہ کی تقدیس یہودیوں کی نظر میں

صخرہ کی یہودیوں کی نزدیک قریب قریب ہی مرتبہ حاصل ہے جو مسلمانوں کی درمیان حجر اسود کو، الصخرہ پر انبیاء بنی اسرائیل عبادات اور تورات وزبور کی تلاوت کیا کرتے تھے اور ان کے عقیدے کے مطابق یہیں سےفرشتے اسمانوں کی جانب صعود (چڑھا) کرتے ہیں علاوہ ازیں یہودی عقائد کے مطابق صخرہ کے اس پاس ہی کہیں تورات مدفون ہے۔ (مئی اصحاح 64 عدد 2 لوقا اصحاح 19 عدد 46)

قارئین کرام : مگر اس میں بھی یہودی شکی ہیں کہ صحیح جگہ کا انتحاب نہ کر سکے کہ صحیح تورات کہا پر مدفون ہیں۔ اسلئے یہ دلیل بھی ان کی کمزور ہے۔

صخرہ کی ایمیت عیسائیوں کے درمیان

صخرہ کی اہمیت یہودیوں کی طرح عیسائیوں میں بھی مسلمہ ہے اور وہ بھی اسے اپنے پیش رو یہودیوں کی طرح قابل تکریم گردانتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب 1099ء میں پہلی صلیبی جنگ کا فیصلہ عیسائیوں کے حق میں ہوا تو انہوں نے صخرہ پر قربان گاہ قائیم کردی متعدد صلیبی صخرہ کے ٹکڑے کاٹ کر بطور تبرک قسطینطینہ اور صقلیہ لے گئے۔ ابن اثیر کے مطابق سے آنے والے ذائرین کو صخرہ کے ٹکڑے سونے کے ہم

وزن فروخت کرنا شروع کردیئے تھے چنانچہ صخرہ کے معدوم یا محدود ہو جانے کے ڈرسے عیسائی حکمرانوں نے اس پر سنگ مرمر چڑھا دیا جیسے 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے فتح بیت المقدس کے ساتھ ہی اُکھڑوا دیا اور صخرہ کی پہلی حالت بحال کردی۔

صخرہ کی قدر مسلمانوں کے نزدیک

یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کے نزدیک بھی صخرہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ویسے تو انبیاء سابقین کی صخرہ سے نسبت ہی اس تقدیس کے لئے کافی ہے مگر اس کی اہمیت مسلمانوں کے لئے اس لئے بڑھ گئی کہ حضور ﷺ نے معراج کا آغاز اسی چٹان سے کیا تھا ۔ روایت ہے کہ : یہاں سیڑھی نمودار ہوئیں" ۔ یہ بھی روایت ہے کہ " گھونسلہ نما نشست سے بلند ہوئے" (موجودہ دور میں خود کار راکٹ اور لفٹ کی ایجاد سے اس تصور کو واضح کیا جاسکتا ہے)۔

علاوہ ازیں دور فاروقی میں جب 16 ھ بمطابق 637ء میں بیت المقدس فتح ہوا اور امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے اور ایک روز استف حضرنیوس کے ہمراہ تاریخی آثارو مقامات کی سیر کے دوران آپ عمر رضی اللہ عنہ کا گزر " صخرہ " پر سے ہوا تو آپ نے اس پر کچرے کا ڈھیر دیکھا جو رومی وہاں لاکر ڈالا کرتے تھے آپ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے صاف فرمایا جو میں کرتا ہوں تم بھی وہی کرو"۔

یہ کہہ کر جھکے اور کوڑا اُٹھا کر دور پھینکنے لگے ، ساتھیوں نے آپ عمر رضی اللہ عنہ کے خکم پر لبیک کہا اور آپ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوگئے آن کی آن میں وہاں گند گی کا نام و نشان نہ رہا ۔ اس روز سے صخرہ مسلمانوں کی حفاظت و تولیت میں آگیا۔

صخرہ بیت اللہ کا بدل نہیں

ابنِ کثیر کے مطابق بیت المقدس کی زیارت کے دوران نماز کا وقت ہو جانے پر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن اخبار رضی اللہ عنہ سے مشورہ کے طور پر پوچھا ، نماز کس جگہ ادا کی جائے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ جو یہودی

مسلمان ہوئے تھے۔ گویا ہوئے " اگر آپ رضی اللہ عنہ میری بات کو قبول کریں تو صخرہ کے پیچھے نماز ادا کریں، سارا بیت المقدس آپ کے رو برو ہوگا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب بن اخبار رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا " اے کعب! تم میں ابھی تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ نہیں! میں کبھی بھی یہاں نماز نہیں پڑھوں گا میں اس جگہ نماز پڑھوں گا جہاں حضرت محمد ﷺ نے نماز پڑھائی ہے۔

اور طبری کی روایت میں ہے کہ حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کعب بن اخبار سے دریافت کیا۔ " یہ بتاؤ ہم مسجد کہاں تعمیر کریں؟ کعب گویا ہوئے۔ "صخرہ کی جانب" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جوابا فرمایا۔ اللہ کی قسم! تم پر ابھی تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ جب ہی تو میں نے دیکھا تھا کہ تم نے صخرہ کے قریب اکر جوتا اتار دیا تھا۔ ہم اس کا قبلہ اس کے صدر کو بنائیں گے جس طرح محبوب خدا احمد مجتبیٰ ﷺ نے ہماری مساجد کا قبلہ ان کے صدر کو بنایا ہے ۔ ہمیں صخرہ کے بارے میں حکم نہیں دیا گیا، کعبہ کا حکم دیا گیا ہے ۔ مزکورہ بالا روایات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صخرہ کو اتنی ہی اہمیت دی اور اتنی ہی تقدس کے قابل جانا جتنا کہ اس کا حق تھا نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم.

صخرہ پر عمارت کی تعمیر

16 ھ میں جب بیت المقدس فتح ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے تو سرزمین انبیاء ہونے کے سبب شہر میں مختلف یاد گاروں پر جابجا عبادت گا ہیں تعمیر تھیں جن میں کلیسا محشر بیت اللحم کا کلیسا مہک اور کلیسا قسطنطین قابل ذکر ہے۔ جبکہ وہ مقامات جہاں مسجد اقصٰی تعمیر کی گئی اور صخرہ کسی عمارت سے یکسر محروم تھے۔ اس جگہ پر مسجد اقصٰی کی تعمیر عمل میں آئی تو اسی کے ساتھ صخرہ پر بھی مسجد تعمیر کی گئی اس مسجد کو مسجد صخرہ اور مسجد عمررضی اللہ عنہ بھی کہتے ہیں ۔ (یہ مسلمان فاتحین کا خاصا تھا کہ جب کوئی نیا شہر فتح کرتے تو وہاں مسجد ضرور تعمیر کی جاتی۔

صخرہ پر قبہ "گنبد" کی تعمیر کا شرف سب سے پہلے پانچویں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان(65 ھ) (685ء تا 86 ھ / 705ء) کو حاصل ہوا ۔ مسجد کی تعمیر میں مسلم بازنطینی اور یونانی صناعوں نے حصہ لیا اور اس پر ایسا شاندار گنبد تعمیر کیا گیا جو فنِ تعمیر میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل تھا ۔ بعدازاں عبدالملک بن مروان کے بیٹے

ولید بن عبدالملک نے مسجد میں بعض خوبصورت نقوش کا اضافہ کروایا۔ عباسی دور حکومت میں خلیفہ ہارون رشید نے مسجد صخرہ میں جزوی تعمیر و مرمت کروائی ۔ فاطمی دورِ خلافت میں جبکہ الحاکم با مراللہ مسندِ آراء خلافت تھا مسجدِ صخرہ کی عمارت کو زلزلے کے باعث شدید نقصان پہنچا۔ تقریبا 6 سو سال بعد الحاکم کے بیٹے الظاہر نے عمارات کو ازسرنو تعمیر کروایا۔ پہلی صلیبی جنگ 1099ء میں جب صلیبی غارت گر بیت المقدس میں داخل ہوئے تو جہاں انہوں نے ستر(70) ہزار مسلمانوں کو تہ تیع کیا وہیں مسلمانوں کی عبادت گاہیں بھی ان کے جوشِ غضب کا نشانہ بنیں ۔ 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی صلیبوں کی متحدہ افواج کو شکست دینے کے بعد جب بیت المقدس میں فاتح داخل ہوا تو اس نے تقریبا 88 برس بعد ایک بار پھر مسجد صخرہ کی پہلی حیثیت بحال کردی ۔

مسجدِ صخرہ اپنی غیر معمولی دلکشی کے باعث ہر دور میں مسلمانوں کےلیے باعث کشش رہی ہے۔ اس کی تعمیر و مرمت میں جہاں اموی، عباسی اور فاطمی خلفاء پیش پیش رہے ہیں عثمانی خلفاء نے بھی اس کی آرائش و زیبائش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھا۔

سلطان عبدالحمید ثانی نے اپنی پیش رؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسجد صخرہ کی تزئین و آرائش میں بھرپور حصہ لیا ۔ اس نے پوری مسجد میں ایرانی قالین بچھوایا اور عظیم الشان قندیل روشن کی۔ " جسے 1951ء میں مسجد اقصٰی میں منتقل کردیا گیا۔"

مسجد صخرہ پر یہودیوں کے حملے

نومبر 1947ء میں تقسیم فلسطین کے اعلان پر عربوں اور یہودیوں کی گولہ باری سے مسجد صخرہ شدید مجروح ہوئی۔ بعدازاں 16 جولائی 1948ء میں یہودیوں نے ایک بار پھر بیت المقدس کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا اور رات 8 بجکر 40 منٹ پر شروع ہونے والی گولہ باری اگلے روز صبح تک 4 بجے تک جاری رہی اس گولہ باری کے نتیجے میں ایک گولہ مسجد صخرہ کے گنبد پر گرا جو شدید نقصان کا باعث بنا۔

ایسے ہی(11) گیارہ حملے یہودیوں نے اگست ، ستمبر ، اکتوبر، نومبر 1948ء میں کئے ان حملوں کے نتیجے میں متعدد نمازی شہید و زحمی ہوئے اور شمال مغربی سمت میں قبۃ الصخرہ کی جالی اور کھڑکیاں متاثر ہوئی۔ تاریخی نقسش سے مزین شیشے کی قدیم

تختیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور طہارت خانے اور باب الموازین کی سیڑھیوں میں شگاف پڑھ گئے۔

(1967ء کے بعد پورا مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ یہودیوں کے قبضے میں ہے)

کرنے کے کام

صخرہ اور قبۃالصخرہ کی تاریخ میں اجمالی جائزے کے بعد قارئین یقینا مسجد اقصیٰ اور مسجد الصخرہ کا فرق جان گئے ہونگے ۔ ایسے میں ہمارے کرنے کے کام یہ ہے کہ بلاشبہ قبۃ الصخرہ کی تصاویر پر مشتمل پوسٹر اپنے ڈرائنگ روم اور دفاتر کی زینت بنائیں مگر ساتھ ساتھ اپنے اقرباء اور احباب کو یہودی سازش سے بھی آگاہ کرتے رہیں

کہ یہ مسجد اقصٰی نہیں بلکہ مسجد الصخرہ ہے۔ (بحوالہ ۔ ماہنامہ "بیت المقدس " نومبر 2006ء)

جناب قارئین کرامَ اس پوری بحث مباحثے کے بعد یہ نتیجہ اخز ہوتا ہے کہ مسجد اقصٰی اور قبۃ الصخرہ ایک ہی احاطے میں قائیم ہیں۔ اور دونوں مسلمانوں کے تاریخی مذ ہبی ورثہ ہے۔ جس طرح مسجد اقصٰی پر تولیت کے حقدارمسلمان ہیں اسی طرح قبتہ الصخرہ یا مسجد الصخرہ پر تولیت کے حقدار بھی مسلمان ہے۔

اور یہودی ایک سوچھے سمجھے سازش اور منصوبے کے تحت مسجد اقصٰی کو ویران کرکے اس جگہ پر اپنا عبادت خانہ تعمیر کروانا چاہتا ہے ۔ اور اپنی اس نا جائز خواہش کی تکمیل کیلے وہ ہر دور میں کوشاں اور مصروف عمل ہے۔

مسجد اقصی کے اہمیت و تولیت پر ہم باب نمبر 3 میں تفصیلی بحث و مباحثہ کرینگے ۔ یہودی دجل و فریب کو بے نقاب کرینگے ۔ مکمل معلومات کیلۓ باب نمبر 3 کا مطالعہ ضرور کیجۓ۔

باب نمبر 2

(ا) قائد اعظم محمد علی جناح اور مسئلہ فلسطین

بانی پاکستان مرحوم قائد اعظم محمد علی جناح نے فلسطین پر ناجائز اسرائیلی (یہودی) قبضے کے خلاف اُس وقت آواز اُٹھانا شروع کی تھی جب پاکستان کا وجود بھی نہیں تھا پاکستان قائم ہونے کے بعد اقوام متحدہ کی طرف سے تقسیم فلسطین کے فیصلے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بانی پاکستان نے فرمایا تھا کہ برصغیر کے مسلمان تقسیم فلسطین کے متعلق اقوام متحدہ کے ظالمانہ ناجائز اور غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف ہیں اور شدید ترین لب و لہجہ میں احتجاج کرتے ہیں

ہماری حسِ انصاف ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم فلسطین میں اپنی مظلوم عرب بھائیوں کی ہر ممکن طریقے سے مدد کریں ۔ بانی پاکستان نے ایک اور موقع پر کہا تھا کہ مجھے اب بھی اُمید ہے کہ تقسیم فلسطین کا منصوبہ مسترد کردیا جائے گا۔ ورنہ ایک خوفناک ترین اور بے مثال جنگ کا شروع ہو جانا ناگزیر اور لازمی امر ہے۔ یہ جنگ صرف عربوں اور منصوبہ تقسیم کو نافذ کرنے والوں کے مابین نہ ہوگی بلکہ پوری اسلامی دُنیا اس فیصلے کے خلاف عملی طور پربغاوت کریگی، کیونکہ ایسے فیصلے کی حمایت نہ تاریخی اعتبار سے کی جاسکتی ہیں اور نہ سیاسی اور اخلاقی طور پر ایسی صورتحال میں "پاکستان" کے پاس اس کی سوا اور کوئی چارہ کار یعنی "حل" نہ ہوگا کہ عربوں کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کرے اور خواہ مخواہ کے اشتعال اور ناجائز دست درازیوں، مداخلت کو روکنے کے لئے جو کچھ اس کے بس میں ہے پورے جوش و خروش اور طاقت سے پروئے کار لائے۔

الحمد للہ پاکستان نے اپنے قیام سے لے کر اب تک قائداعظم محمد علی جناح کے فرامین کی روشنی میں مظلوم عرب فلسطینی بھائیوں سے اظہار یکجہتی کیلئے اسرائیل کو نہ صرف تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ پاکستانی سبز پاسپورٹ پر لکھ دیا کہ یہ پاسپورٹ اسرائیل کے سوا تمام ممالک کیلئے کار آمد ہے۔

قارئین کرام : 1947ء سے لیکر آج 2023ء تک بھی یہی تحریر لکھی ہوئی ہے کہ پاکستانی سبز پاسپورٹ پر اسرائیل جانا منع ہے۔ اور انشاءاللہ یہ قیامت تک ایسا چلتا رہے گا۔ کل بھی پاکستان کا موقف یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ سرزمین فلسطین پر ناجائز اسرائیلی ریاست و قبضہ نا منظور ہے۔

(2) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور مسئلہ فلسطین

مسلمانوں کا یہودوں سے حسن سلوک اور یہود کی احسان فراموشی

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صرف شاعر نہیں تھے بلکہ ایک عظیم مفکرِ اسلام اور معمار قوم تھے وہ یہودیوں کے دجل و فریب سے اچھی طرح اگاہ تھے۔ علامہ اقبال کے زمانے میں سلطنتِ عثمانیہ کے سوا عالم اسلام کے تمام خطوں پر غاصب استعماری قوتیں مسلط تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ داخلی خلفشار اور کمزوریوں میں گرفتار تھی اس لئے اس کے مغربی دشمن اسے The sick man of the europe کہتے تھے او"ر اس پر دندان از تیز کئے بیٹھے تھے" یعنی عثمانی سلطنت کے خاتمے کیلئے مصروف عمل تھے۔ 20 ویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ہندوستان میں خلافت کی بقا اور بحالی کے لئے جو تحریک شروع ہوئی اقبال اس کے پوری طرح مدیَد و حمایتی تھے۔ یہی زمانہ تھا یعنی 19 ویں صدی جب یہودی سرزمین فلسطین پر اپنے قدم جما رہے تھے۔ مگر مجموعی حیثیت سے مسئلہ فلسطین ابھی ابتدائی مراحل میں تھا ۔ یہود اسرائیل فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہے۔ وہ تقریبا تیرہ (13)سوبرس قبلِ مسیح اس علاقے "فلسطین"میں وارد ہوئے یہاں کے قدیم فلسطینیوں کو باہر نکال دیا گیا اور خود ان کی سرزمین پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ گزشتہ صدیوں میں یہود کئے بار فلسطین سے نکالے گئے ہیں ۔ ان کی دربدری کے زمانے میں پورے یورپ میں کوئی انہیں منہ نہ لگاتا تھا۔ "کیونکہ یہود پہلے سے شرپسند و شرارتی ہے اس لئے ان سے نفرت کر لیا جاتا ہے۔ "

یہ مسلمان تھے جنہوں نے (انسانی ہمدردی کے تحت) ان کی دستگیری کی۔ خاص طور پر اندلس کے مسلم حکمرانوں کے حسنِ سلوک کی وجہ سے"اندلس " میں یہود طویل عرصے تک نہایت خوش و حرم رہے اور امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے۔

پھر سقوطِ عرناطہ کے بعد جب عیسائیوں نے انہیں زبردستی وہاں سے نکالا۔ تو وہ " نہ کہیں جاں میں امان ملی" کی سے کیفیت سے دو چار ہوئے ۔ ایک بار پھر پورے جہاں میں انہیں کہیں آمان ملی تو عثمانی ترکوں کے ہاں ۔ عثمانی سلطنت میں آتے ہوئے وہ آسودہ خوش خال ہوئے تو انہیں نے پر پرزے نکالے اور فلسطین اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کرنے لگے ۔ یہ ہے یہودی کی احسان فراموشی معروف واقعہ ہے کہ یہودی دانشور اور رہنما ڈاکٹر تھیوڈوہڑزل نے سلطان عبدالحمید دوم کو مالی امداد کا لالچ دے کر "یہودی وطن " کے لئے ارض فلسطین کا ایک حصہ حریدنے کی درخواست کی جسے سلطان نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ (فلسطین اس وقت سلطنتِ عثمانیہ میں شامل تھا)۔ اس پر یہودی انتقام پر اُترنے آئے ۔ سلطنتِ عثمانیہ اور سلطان ثانی کے خلاف ان کی سازشیں رنگ لے آئیں ۔ ان کی پہلی کامیابی وہ تھی جب انجمن اتحادو ترقی کی وزارت کے ذریعے 1919ء میں ایک ایسا قانون پاس کرایا گیا، جس کے ذریعے یہودیوں کو فلسطین میں زمینیں اور جائدادیں خریدنے کی اجازت مل گئی۔ 1916ء میں وہ برطانیہ سے صہونیت کی پشت پناہی کے طلب گار ہوئے۔ برطانیہ نے اس درخواست کو "اعلان بالفور" (دسمبر 1914 ء) کی شکل میں پزیرائی بخشی۔ انگریزوں کی بدنیتی بد دیانتی کے شاہ کار اعلانِ بالفور کو جنگِ عظیم اول کے تمام اتحادیوں کی توثیق حاصل تھی۔ جنگ عظیم اول 1914ء تا 1918ء کے خاتمے پر برطانیہ نے عربوں سے کئے گئے

تمام تر وعد وں سے انخراف کرتے ہوئے فلسطین پر قبضہ کرلیا۔ جس مجلسِ اقوام (نیشن آف لیگ) کے بارے میں اقبال نے کہا تھا۔ بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند 1922ء میں جالی مینڈیٹ (mandate) کے ذریعے یہ خطہ برطانیہ کے اقتدار میں دے دیا گیا۔
برطانوی اقتدار ایک صہیونی خکومت ہی کی مترادف تھا کیونکہ انگریزوں نے اپنی طرف سے فلسطین میں اپنا جو پہلا ہائی کمشنر مقرر کیا (سربریٹ سمویل) وہ بھی یہودی تھا۔ اسی زمانے میں مقاماتِ مقدسہ کے متعلق تنازعات کے حل کیلئے ایک رائل کمیشن کے قیام کی تجویز انگریزوں کے زیرِ غور تھی۔ ایک مسلمان ممبر کے طور پر علامہ اقبال کو کمیشن کا ممبر بننے کی پیش کش کی گئی مگر اُنہوں نے بوجوہ معذرت کرلی ۔ مسلمانانِ لاہور نے 7 ستمبر 1929ء کو انگریزوں کی یہود نواز پالیسیوں کے خلاف بطور اختجاج ایک جلسہ منعقد کیا جس کی صدارت علامہ اقبال نے کی تھی۔ اسی زمانے میں یروشلم میں فلسطینوں کے قتل و غارت کے الم ناک واقعات رونما ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے صدارتی حطبے میں یہودیوں کی "ہولناک سفاکی " کی مذمت کی علامہ نے یہودیوں کو یاد دلایا۔ کہ یہ مسکمان ہی تھے جنہوں نے بقول اقبال : یورپ کے ستائے ہوئے یہودوں

کو نہ صرف پناہ دی بلکہ انہیں اعلٰی مناصب پر فائز کیا۔ یہ کونسی احسان فراموشی ہے کہ بالفاظ اقبال " فلسطین میں مسلمان ،ان کی عورتیں اور بچے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کئے جارہے ہیں ۔" دراصل اعلانِ بالفور ہی کے زمانے میں یہودیوں نے فلسطینیوں کو ان کے وطن سے بے دخل کر کے زورِ زبردستی کے ذریعے ان کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کیا تھا ۔ ان کے دیہات کے دیہات تباہ کردیئے گئے۔ اگر کسی نے مزاحمت کی تو اسے قتل و غارت کا نشانہ بنایا گیا۔ سفرِ انگلستان 1931ء کے دوران میں جہاں بھی موقع ملا۔ علامہ اقبال نے فلسطین کے بارے میں کلمہ خیر کہنے سے گریز نہیں کیا ۔ مثلا ایک موقع پر انگریزوں کو اہل فلسطین کے ساتھ انصاف کی تلقین کی اور فرمایا کہ اعلانِ بالفور بالکل منسوخ کردینا چاہیئے۔ علامہ اقبال پر مسئلہ فلسطین کی نزاکت اور اہمیت اس وقت اور زیادہ واضح ہوئی جب انہوں نے بذات خود فلسطین کا سفر کیا۔ دسمبر 1930ء میں فلسطین کے 9 روزہ سفر کا اصل مقصد مؤتمر عالمِ اسلامی کانفرنس میں شرکت تھی۔ کانفرنس کے داعی سید امین الحسینی تھے۔

اس میں تقریبا 27 ملکوں اور علاقوں کے مندوبین شامل تھے جن میں اربابِ علم و فضل بھی تھے اور سیاسی اور ملی رہنما بھی ۔ اسطرح متعدد واجب الاحترام بزرگ شخصیات اور مجاہدین آزادی اور اپنے اپنے ملکوں کی سیاست میں سرگرم ممبران پارلیمنٹ بھی ۔ گویا بیت المقدس کے شہر میں عالمِ اسلام کی منتخب شخصیتیں جمع تھیں

یوں تو اس کانفرنس کے کئی مقاصد تھیں لیکن سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو فلسطین پر یہودیوں کے ناجائز قبضے کے سنگین مسئلے کا احساس دلایا جائے اور صہیونی خطرے کے خلاف اتحاد عالم اسلام کی تدابیر پر غور کیا جائے ۔ کانفرنس کے دنوں میں علامہ اقبال اور ان کے ہمراہ غلام رسول مہر کانفرنس کے مختلف نشستوں میں شریک رہے۔ ایک نشست میں علامہ اقبال کو نائب صدر بنا کر سٹیج پر بٹھا یا گیا۔ انہوں نے بعض کمیٹوں کے اجلاس میں شریک ہو کر رپورٹیں مرتب کرنے میں بھی مدد کی ۔ قیام فلسطین کے دوران میں علامہ اقبال اور غلام رسول مہر کو جتنا بھی وقت اور موقع ملتا وہ مقاماتِ مقدسہ اور آثارِ قدیمہ کی زیارت کو نکل جاتے۔ انہوں نے بیت اللحم میں کلیسائے مولدِ مسیح دیکھا اور الخلیل میں متعدد پیغمبروں کے مدفنوں کی زیارت بھی کی ۔ بیت المقدس شہر میں بھی انہوں نے بہت سے قابل دید مقامات عمارات اور آثار دیکھے۔ ایک دن موقع پاکر انہوں نے فلسطین کے اسلامی اوقاف کا بھی معائنہ کیا۔
کانفرنس کے مندوبین کو فلسطین کے دوسرے شہروں کا دورہ کرنے کی دعوت ملی مگر وہ سب جگہ نہیں جاسکے۔ قیام کے آخری دن شام کی نشست میں اقبال نے ایک موثر

تقریر کی جس میں عالمِ اسلام کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کو الحاد مادی اور وطنی قومیت سے خطرہ ہے۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ دل سے مسلمان بنیں ۔ مجھے اسلام کے دشمنوں سے اندیشہ نہیں ہیں لیکن خود مسلمانوں سے مجھے اندیشہ ہے۔

اقبال نے نوجوانوں کا خاص طور پر ذکر کیا اور مندوبین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اپنے وطنوں کو واپس جاؤ تو روحِ اخوت کو ہر جگہ پیھلا دو اور اپنے نوجوانوں پر خاص توجو دو سفرِ فلسطین سے واپس آنے کے بعد بھی اقبال وائسرائے ہند اور برطانوی اکابر کو برابر احساس دلاتے رہے کہ برطانیہ کی فلسطین پالیسی صریحا مسلم محالفانہ ہے ۔ اقبال نے اپنا یہ مطالبہ بھی جاری رکھا کہ فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ روکا جائے اور اعلان بالفور واپس لیا جائے ۔ اقبال نے یہ بھی کہا کہ برطانوی پالیسی کے سبب مسلمانانِ ہند میں زبردست ہیجان و اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ 25 یا 24 ستمبر 1937 ء کو کلکتہ میں فلسطین کانفرنس منعقد ہوئی ۔ علامہ اقبال اپنی کمزور صحت اور بیماری کے سبب اس میں شریک نہ ہو سکے لیکن وہ اپنے دِلی جذبات کا اظہار اس طرح کرتے رہے تھے۔

جلتا ہے مگر شام و فلسطین پہِ میرا دل

تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدہ دُشوار

اسی زمانے میں انہوں نے کہا۔

ہے خاک فلسطین پر یہودی کا اگر حق

ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور

قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا

یہ "مقصد ہے کچھ اور " اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اپنے استعماری عزائم کو جاری رکھنے کیلئے برطانیہ مشرقی وسطی میں ایک مستقل اڈّا یا ٹھکانا بنانا چاہتا تھا مگر علامہ اقبال اسے عالم اسلام کے لئے ازحد خطر ناک سمجھتے تھے اور اس کے سدِ باب کیلئے وہ بڑے سے بڑا اقدام اُٹھانے کے لے تیار تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے نام 7

اکتوبر 1937 ء کو خط میں لکھتے ہیں۔ ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کی خاطر جیل جانے کے لے تیار ہوں۔ جس سے اسلام اور ہندستان متاثر ہوتے ہو ۔

مشرق کے دروازے پر یعنی "برصعیر پاک وہند پر " مغرب کا اڈا بنانا اسلام اور ہندوستان دونوں کےلئے پر خطر ہے۔ "اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اقبال ازادی فلسطین کی خاطر انتہائی اقدام کے لئے بھی پر جوش اور پر عزم تھے۔ " فلسطین کے نمائندہ جماعت حماس ، فلسطین کے موجودہ تحریک آزادی میں مزاحمت کی ایک تابندہ علامت بن چکی ہے اس نے علامہ اقبال کی نصیحت کو حرزِ جاں بنا لیا ہے اور وہ یہود کی غلامی سے نجات کیلئے اپنی سی تگ و دو میں مصروف ہے۔ اس کے برعکس 50 سے زائد مسلم ملکوں کے حکمران الا ماشآءاللہ صہیونیوں اور امریکیوں کے سامنے جُک چکے ہیں یا پھر بِک چکے ہئں ۔ یہ حکمران خصوصا مسلم بادشاہتیں پسپائی احتیار کر چکے ہیں ۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کا ایمان کمزور ہے۔ علامہ اقبال کی چشمِ بصیرت نے پون صدی پہلے فلسطینیوں کو خبردار کیا تھا کہ عرب بادشاہتوں پر ہر گز اعتمادنہ کریں کیونکہ یہ بادشاہ لوگ مسئلہ فلسطین پر کوئی آزادانہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ۔ پون صدی اقبال کی بصیرت پر گواہی دے رہی ہے"۔

قارئین کرام : علامہ اقبال نے مسلمان حکمرانوں کے بارے میں جو حدشہ ظاہر کیا تھا کہ مجھے مسئلہ فلسطین پر اسلام کے دشمنوں سے زیادہ اندیشہ نہیں ہے لیکن خود مسلمانوں سے اندیشہ ہے ۔ آج بہت آفسوس کیساتھ کہنا پڑھتا ہوں کہ کئے عرب ممالک کے سربراھان اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حق میں ہے بلکہ کئے مسلم ممالک نے تو باقاعدہ طور پر ناجائز اسرائیل ریاست کو تسلیم بھی کر لیا ہے جو کے بڑی شرم ، بے غیرتی اور ناانصافی کی بات ہے۔ خود یہاں یمارے پاکستان میں کئے نام نہاد دانشور، تجزیہ کار ، قلم نگار ، صحافی اور سیاستدان امریکی ڈالروں پر پلنے والے کُتے پیدا ہوچکے ہیں جو کہ اسرائیل کے حق میں بیانات دیتے ہیں اور اپنے تحریروں اور تقریروں کے ذریعے ساد ہ لوح مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اور اپنی مظلوم اور بے بس فلسطینی مسلمانوں کے سینوں میں حنجر گونپ رہے ہیں۔ صرف اور صرف امریکی حوشنودی اور رضامندی کیلئے ان کے دِلوں میں نہ خدا کا خوف ہے نہ آخرت کا غم۔ یہ شیطانی ، نفسانی ھوس کے مارے ہوئے لوگ ناجائز شہرت دولت کمانے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں اسلام کی لُبادہ اُوڑھ کر مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ۔ وہ اپنی دجل و فریب سے مسلمانوں کے ذہنوں سے اسلامی نظریات و شناخت کو کسی نہ کسی طریقے سے ختم اور مٹا دینا چاہتے ہیں۔ کبھی قرآن شریف کی معنی اُلٹ کر کیونکہ الفاظ اور متن میں تو

وہ تخریف نہیں کرسکتے ۔ مگر مغنی اور تفسیر میں تخریف کر کے مسلمانوں کو شک و شبہ میں ڈالتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنی طرف سے جھوٹے احادیث بناکر مزموم مقصد کیلئے استعمال کرتے ہیں اسرئیلی روایات اور منگھڑت تاریخی اقوال کو دلیل بنا کر بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ دینِ اسلام سے یہ بیزار لوگ اسرائیل اور ناجائز اسرائیلی ریاست کا قیام ان کا خوابِ ادھورا بن چکا ہے۔ اسی ناجائز مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ دین مذہب بلکہ انسانیت سے بھی خالی اور کنگال ہوچکے ہیں ۔ حق کے مقابلے میں باطل پر جان دینے کو آمادہ ہے۔ باطل ان کے سامنے حق اور ظلم ان کے سامنے انصاف بن چکا ہیں جھوٹ ان کے سامنے سچ اور کوٹہ ان کے سامنے کھرا۔ یعنی بزبان قرآن وہی لوگ خقیقت میں " صم بکم عمی " کے مصداق بن چکے ہیں حق کے مقابلے میں ۔ ترجمہ آیت شریفہ "بہرے، گونگے، اندھے "۔

(1) یہ انسان نما درندے کبھی قادنیت کے آڑ میں کبھی بوہریت کے آڑ میں کبھی پرویزیت کے آڑ میں اور کبھی غا مدیت کے آڑ میں مسلمانوں کے سامنے آکر نا جائز یہودی امریکی مقاصد کیلئے اُن کے ذہنوں میں لادینیت گمراہیت کا زہر پھیلا دیتے ہیں۔ اور یہ زہر آہستہ آہستہ اپنا کام کر کے مسلم نوجوانوں کو دینِ فطرت اسلام اور ایمان کے نور سے محروم کر دیتے ہیں اور مسلم نوجوانوں کو تباہی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ اور اس تباہی کا نام ہے کفر ضلالت ، گمراہی ، لادینیت ، سیکولرازم ، کمیونزم، سوشل ازم ، لبرل ازم وغیرہ وغیرہ اللہ سبحانہ و تعالٰی اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے اور طفیل سے ان گمراہ لوگوں کے شر اور فتنوں سے ہمیں بچائیں۔ آمین ثمہ آمین بجاہِ سید المرسلین ۔

(2) اب ان انسان نما درندوں کا دوسرا رخ بھی پڑ لیجئے ایک طرف تو وہ درندے مسلمانوں کے نظریات و عقائد پر مذہبی آڑمیں حملے کرتے رہتے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی ملکی سرحدات ، املاک اور جائداد پر ناجائز قبضے خطر ناک خُفیہ تنظیموں کے تربیت یافتہ جنگجوؤ کے ذریعے کروا رہے ہیں۔ اور یہ ظلم و بربریت کا سلسلہ صدیوں پرانا چلتا آریا ہے۔ اور ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ یہ انسان نما اور وحشی درندے کبھی فری میسن free mason کی شکل میں کبھی بلیک واٹر black water کی شکل میں کبھی si,xe کی شکل میں تو کبھی داغش کی شکل میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے ہیں ۔ امریکہ و اسرائیل کے پالے ہوئے یہ ناجائزکتے مسلمانوں کیساتھ وہ ناروا سلوک کرتے ہیں جسے سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے بے اختیار آنسوں بہنے لگتا ہیں ۔ یہ وحشی درندے جہاں پر بھی

قدم جماچکے ہیں وہاں پر مسلمانوں اور عام انسانوں کا جینا تنگ کردیا ہے۔ یہ اخلاقیات و انسانیت سے عاری اور بے خبر یہودی فوج اتنی بے دردی سے مسلمانوں کا قتلِ عام کرتی ہیں کہ میں اس کے بیان سے قاصر ہوں مگر کچھ نظائر آپ کے سامنے رکھونگا۔ کہ یہ مکار انگریزی یہودی ظاہر میں کتنا نرم دل اور باطن میں کتنا سنگدل ہے ۔

انہوں نے فلسطین ، عراق ، شام ، اُردن ، صومالیہ ، چیچنیا، سوڈان، افغانستان میں ڈیزرکٹربموں کے ذریعے حملے کرکے بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کروا چکے ہیں ۔ انہوں نے بغیر دلیل اور ثبوت کے مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر نہتے مسلمان ماؤں بہنوں بوڑھے جوان بچوں بچیوں سمیت حتٰی کہ معصوم اور بے زبان جانوروں تک کو زندہ اور چین سے نہیں چھوڑا۔ مسلمانوں کے املاک جائدادیں مساجد و مدارس، تاریخی مقامات بال بچے ان کے حملوں اور ظلم سے محفوظ نہیں رہے۔ انہوں نے مسلمان ماؤں بہنوں کے عزتوں کا کچھ خیال نہیں رکھا اور یہ ظلم و ستم کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کہ اخر مسلمانوں کے ساتھ یہ ظلم اور بربریت کا سلوک کیوں کیا جارہا ہے۔ اتنی ظلم و ستم کے باوجود عالمی برادری اقوام متحدہ کب جاگ اُٹھے گا انسانیت کے علمبردار قومیں کب حرکت میں آئے گی ۔ ہیومن رائٹس کے ادارے کہاں ہے وہ اس ظلم کے خلاف کب اواز اُٹھائے گا۔ وہ کب ہوش میں آئے گی ۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ ہاں اگر غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے امریکہ یا اسرائیل کا کتا یا کتیا مرجائے تو پر وہ نام نہاد اقوامِ متحدہ وہ نام نہاد ہیومن رائٹس ادارے وہ نام نہاد انسانیت کے علمبردار ہوش میں آجاتے ہیں آواز اُٹھاتے ہے حرکت میں آجاتے ہیں ۔ پوری دُنیا میں واویلااور شور برپا کردیتے ہیں کہ دیکھو مسلمانوں نے بڑی ظلم کی ہے یہ یورپ پر حملہ ہے یہ مغرب پر حملہ ہے۔ یہ اسرائیل اور امریکہ پر حملہ ہے۔

اس کے برعکس فلسطین میں مسلمان مر رہے ہیں عراق میں مسلمان مر رہے شام میں مسلمان مر رہے ہے چیچنیا ، بوسنیا ، صومالیہ ، سوڈان ، افغانستان ، کشمیر میں مسلمان بے گناہ ان درندوں کے ہاتھوں سے مر رہے ہیں مسلم عورتوں کی عزتیں لُوٹائی جارہی ہے۔ ان کے بچے اور بچیاں ان مسلم ماؤں کے سامنے زندہ جلائی جاتی ہے۔ ان کے املاک جلا دیئے جاتے ہیں ۔ مگر اقوامِ متحدہ ، عالمی برادری، ہیومن رائٹس ادارے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہے۔ اسی لئے تو میں مسلمانوں سے کہتا ہوں ۔ کہ ان امریکی یہودی اداروں سے انصاف کی امید کبھی بھی مت رکھنا۔ یہ

ہیومن رائٹس ادارے ، اقوام متحدہ مسلمانوں کے ساتھ دوغلہ پن کھیل رہا ہے۔ سامنے کچھ اور آور پسِ پردہ کچھ آور ہو رہا ہے۔ مگر ہمارے مسلم حکمرانوں کو تب پتہ چلے گا جب پانی سر سے گزر جائیں۔

اے مسلمان نوجوان

اے اُمتِ مسلمہ کے ترجمان

وادئی کشمیر وادئی فلسطین تجھے پکار رہی ہیں۔ عراق اور شام کے مظلوم مسلمان مائیں بہنیں تجھے پکار رہی ہیں۔ چیچنیا صومالیہ کے بہنیں مظلوم مسلم نوجوان تجھے پکا رہے ہیں ۔ برما ، سوڈان ، بوسنیا افغانستان کے مسلمان تجھے پکار رہے ہیں، پاکستان کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی تجھے آوازیں دی رہی ہے

اے مسلمان نوجوان

اے اُمتِ مسلمہ کے ترجمان

تجھے کون پکار رہا ہے تجھے کون بلا رہا ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے فلسطینی ، شامی ،عراقی ، مائیں یہودیوں کے ہاتھوں مر رہی ہیں

وادئی مقبوضہ کشمیر میں مسلمان بہنیں ہندوں سورماؤں کے ہاتھوں جل رہی ہیں۔

افغانستان برما سوڈان میں کافروں کے ہاتھوں مسلم بچے و بچیاں راکھ کے ڈھیر بن گئے ہیں

اے مسلمان نوجوان

اے اُمتِ مسلمہ کے ترجمان

قارین کرام : اقوامِ متحدہ بشمول امریکہ و برطانیہ اسرائیل کے معمار بھی ہیں۔ اور ان کے چوکیدار بھی ہے۔ روز اول سے اسرائیل کو ہر محاذ پر اقوامِ متحدہ امریکہ اور برطانیہ کی سپورٹ اور پشت پناہی حاصل ہےیہ ناجائز ریاست انہیں کے زور پر قائم ہے۔ ان کی حیثیت بدنام زمانہ بلیک واٹر کی سی ہے۔ جو ہر محاذ پر امریکی مفادات کے

لئے اُجرت پر لڑتے رہتے ہیں۔ دوسروں کو انسانیت کا درس دینے والے یہودی لابی خود انسانیت سے ناواقف ہیں۔ اس کی زندہ مثال فلسطین میں حالیہ واقعات ہیں۔ جو ظلم نہتے فلسطینی مسلمانوں پر ڈھائے جارہے ہیں ناقابل برداشت اور ناقابل فراموش ہیں۔ انسان تو کیا حیوان ، چرند پرند بھی اس ظلم پر حیران و پریشان ہونگے۔ عالمی ہیومن رائٹس ادارے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں ۔ کیونکہ یہ ظلم و ستم یہود و ہنود کی بجائے مسلمانوں پر ہورہے ہیں اگر اس کے برعکس یہ ظلم کسی اور قوم پر ہوتا تو پھر معاملہ مختلف ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ یہ دوغلہ پن کئ صدیوں جاری ہے۔ جب اُمت مسلمہ پر ظلم ہوتا ہے تو اقوام متحدہ مذمت کے ساتھ ساتھ سنگین مزاحمت پر اُتر آتے ہیں۔ مسلم ملکوں پر کئ کئ طرح کی پابندیاں لگادیتی ہیں۔ جس کی کئے مثالیں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ایران کو دیکھ لیں افغانستان ، شام ، عراق، فلسطین ، مصر ، لیبیا، لبنان، خود ہمارا پاکستان وغیرہ اسی کے زدمیں آ گئے ہیں۔ ان ممالک کی قصور یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ملک و قوم کی دفاع کے لے لڑ رہے ہیں اور ان کا شمار مسلمان ملکوں میں ہوتا ہے۔ بس یہیں ان کی قصور ہے ۔ اسی لئے تومیں کہتا ہوں کہ اقوامِ متحدہ ، امریکہ اور برطانیہ سے خیر کی توقع اور امید رکھنا عبث و بے معنی ہیں۔

مسئلہ فلسطین اور غیر مسلم مؤرخین

(3) یہودی پروٹوکولز کے انگریزی مترجم وکٹر ای مار سڈ ن اور اُردو مترجم محمد یحیٰ خان مسئلہ "ارضِ فلسطین پر تاریخی بحث کرتے ہوئے رقم تراز ہے" کہ "یہود فلسطین کو تو صدیوں سے اپنے خوابوں میں سجائے ہوئے تھے اور "ارضِ موعود" پر بلا شرکت غیرے قبضہ کرنے کے لئے طویل المیعاد اور قلیل المیعاد منصوبے اور سازشیں کرنے میں مصروف رہے۔ کیونکہ اس قبضے کو وہ اپنا مذہبی ، معاشرتی اور سیاسی حق سمجھتے ہیں۔ اس کے حوالے سے شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر بہت بر محل ہے۔

ہے خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

یہودیوں کو اپنی بداعمالیوں کی جو سزا ملی وہ اسے خندہ پیشانی سے سہتے رہے اور مختلف ملکوں میں اپنا سر چھپانے کیلئے مقامی لوگوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے لیکن ارضِ فلسطین میں واپسی کے خیال کو کبھی ذہن سے نکلنے نہیں دیا۔

"اعلان بالفور" نے ان کی آنکھوں میں اُمید کے چراغ جلادیئے ۔ ایک جرمن یہودی موسیٰ ہیٹس (1875ء تا 1812) نے صہیونیت کا علم بلند کردیا ۔ اس نے "روم اور یروشلم" کے عنوان سے 1862ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے فلسفے ، سوشل ازم، سائنس اور مذاہبِ عالم کی بنیادوں پر اپنے فکر کی تعمیر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ " اب ساری دنیا کا مستقبل یہود کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ فورا اپنی قومی آزادی کے لئے جدوجہد کر کے ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں سے وہ ساری دنیا کا احاطہ کرسکیں ، چاروں اطراف سے ان کے ساتھ بھی فوری رابطہ قائم ہوسکے۔ اور مقام------- ان کے دلوں کا مرکز----- ان کی مقدس سرزمین --- --- یہودا کی بادشاہت کا اصل وطن --- --- ارضِ فلسطین ہے۔

چنانچہ مختلف ممالک میں آباد زند گی کے مختلف شعبوں میں مصروف یہودیوں نے مرحلہ وار پروگراموں کے تحت فلسطین کا رخ کر لیا۔ موسیٰ ہیٹس کے علاوہ بھی یہودی مفکرین صحافیوں ادیبوں اور دانشوروں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں ۔ آسٹریا، روس، جرمنی ، اور فرانس میں " یہودی ریاست " کے حق میں مضامین اور مقالات چھاپنا شروع ہوگئے۔ جو جو یہودی کسی وجہ سے اپنے کاروبار میں سیٹ نہیں ہورہے تھے یا کسی مقامی مسئلے سے دوچار تھے انہیں " چلو چلو فلسطین چلو" کے مشورے ملنے لگے۔ متمول تاجر اور صنعت کار یہودی ان مفلوک الحال لوگوں کو چندہ اکھٹے کرنے ، بھاری بھاری رقوم دے کر فلسطین کے لئے وداع کرتے اور وہاں زمینیں خریدنے کے لئے بھی فنڈز دیتے ۔ اسی طرح جرمن فلسفی تھیوڈو ہرٹزل کی تصنیف " یہودی ریاست" نے بھی جو 1896ء میں لکھی گئی دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین پہنچنے اور اپنے قائدین کی "ہدایات" کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کی۔ ہرٹزل نہایت متغصب یہودی تھا اور تمام تر مروجہ مذاہبہ سے شدید نفرت و بغض رکھتا تھا۔

1887ء میں روسی یہودیوں نے "محبّان صہیوں" (lovers of Zion) نام سے ایک پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اس پارٹی کئ بعض سرگرم ارکان پر تقریبا چھ برس بیشترزار الیگزنڈر (ثانی) کے قتل کا لازام لگا جس پر حکومت نے ان کی خوب درگت بنائی اور ان میں سے زیادہ تر فرار ہو کر امریکہ اور یورپ پہنچ گئے۔ بعض روسی یہودی فلسطین جاپہنچے جہاں انہوں نے طبریہ سفید اور یروشلم میں آباد کاری کے لئے خلافت عثمانیہ سے اجازت مانگی۔ اجازت نامے کے لئے انہوں نے رشوت اور سازش دونوں سے کام لیا۔ ترک حکومت نے یہودی اور عیسائی ذائرین کو یروشلم کے مذہبی مقامات پر رسوم ادا کرنے کے لئے کافی فیاضی سے کام لیا تھا لیکن یہودیوں کو آباد کاری کی

اجازت نہ دی ۔ فلسطین پہنچنے والے یہودیوں نے تھیوڈو ہرٹزل کی اس نصیحت کو ہمیشہ طرز جان بنائے رکھا۔

" جب تک یہودیوں کو اپنا وطن نہیں ملتا انہیں سکون نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس قومی اور مذہبی نصب العین کےلئے ----- اور اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر حربہ اور ہر ہتھیار جائز ہے۔ زنا ، رشوت، شراب اور فحاشی ---- جہاں یہ کام نہ دیں تو قتل کرنے سے گریز نہ کیا جائے۔ یہودیوں نے جس سرزمین کو اپنے صدیوں کے خواب کی تعبیر قرار دیا وہ ان کی صدیوں کی غلط فہمی اور صدیوں کا فریب تھا، انہیں فلسطین پر غلبہ حاصل کرنے اور وہاں ریاست قائم کرنے کا کوئی اخلاقی ، قانونی اور تاریخی جواز موجود نہیں تھا۔ 1914ء میں فلسطین میں ان کی تعداد عربوں کے مقابلے میں اٹھواں حصہ تھی۔ اور حالت یہ تھی کہ یورپ میں جب انہیں اپنی غلط حرکتوں اور سازشوں پر مار پڑتی تو وہ فلسطین کا رخ کرتے لیکن جب اس کے وحشت خیز صحراؤں اور بے آب و گیاہ زمینوں کو آباد کرنا پڑتا تو ان کا مذہبی جذبہ سرد پڑجاتا اور جب انہیں کبھی خبر ملتی کہ جرمنی، سپین، اٹلی ، برطانیہ ، پولینڈ، ترکی یا یورپ کے کسی اور حصے میں یہود کو قدرے سکون کی زندگی حاصل ہے تو وہ پھر بھاگ نکلتے اور یہود کی موعود سرزمین سے فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔ ممتاز برطانوی مؤرخ ٹائن بی "فلسطین یہود کا وطن ہے اور نہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) ریڈانڈینوں کی ملکیت ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو برطانیہ اور دوسرے کئی ممالک کی صورتِ حال بالکل بدل جائی گی۔ میرے خیال میں یہود کا فلسطین پر بجز اس کے کوئی حق نہیں کہ وہ وہاں ذاتی جائیدادیں خرید سکتے ہیں۔ انہیں وہاں ریاست قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ بےحد بد نصیبی کی بات ہے کہ وہاں مذہب کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کردی گئی ہے۔" ایچ دی ویلز اپنی کتاب " the out look for homo sapiens" میں لکھتا ہے۔ ہمیں جاننا چاہیئے کہ بائبل کے تربیتی یافتہ سخت ضدی اور ہٹ دھرم ہے جس نے و کیلانہ استدلال کی تربیت پائی ہے۔ عیسائیوں نے گھاٹے کا سودا کیا لیکن اپنی بات پراڑے رہے۔ یہں سے عرب قوم کی مصیبت کا اغاز ہوا۔ ولیم شیکسپئر نے یہود کی بے رحم ضد کو شائی لاک کی صورت میں دیکھا۔ یہ یہود آج بھی یہوا کی جان کو آنے کے لئے " دیوار گریہ" سے لپٹ کر اس وعدے کی تکمیل چاہتے ہیں جس سے اس نے مستقل طور پر انحراف کیا تھا اور اب وہ برطانیہ کا سر کھا رہے ہیں کہ اعلانِ بالفور کی روشن امیدون کو پروان چڑھائے ۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ برطانیہ متضاد معاہدوں میں جگڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو ان صہیونیوں کو باہمی خطرات اور اپنی قوم کی باہمی مفادات کا بھی غم نہیں ۔ ساری دنیا جائے جہنم میں ان معاملوں

میں صہیونیہوں کو دنیا کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ۔ان کا طرز عمل غضب ناک قرض خواہ جیسا ہے ۔ ان کے لئے معاہدات ، اعلانات اور عہدنامے رگِ جان کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ انہیں اس سے بحث نہیں کہ پوری دنیا طرح طرح کے مصائب سے دو چار ہے۔ دنیا کی کوئی قوم انہیں ان کی شرائط پر قبول نہیں کرسکتی۔"

محض بالفور کا خط اور جرمنوں کے خلاف یہودیوں کی سازش ہی انہیں فلسطین پر تسلط دلوانے کے لئے کافی نہ تھی ۔ اس لئے جو دوسری وجوہ تھیں وہ بھی بدنیتی پر مبنی تھیں جنہیں سمجھنے کےلئے کسی دور از کار منطقی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً

(1) امریکہ اور یورپ کے تمام ممالک یہود کو آزاد شہری بنا کر ان کی ریشہ دوانیوں اور ہوس زر کا مزا چکھ چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ عیار قوم ان کی بادشاہتوں ، سلطنتوں ، مذہب، تہذیبوں اور سرمائے پر ہاتھ صاف کر چکی ہے اور اگر اس کے یہی اطوار ہے تو وہ دن دور نہیں جب امریکہ اور یورپ کا ہر شخص ان کی ہوس کی چکی میں پس رہا ہوگا۔ چنانچہ وہ ان سے ہر قیمت پر نجات پانا چاہتے تھے۔ انہیں باہر دھکیلنے کے لئے یہ مناسب ترین موقع تھا۔

(2) یہودیوں نے امریکہ اور برطانیہ کے بیشتر اشاعتی اداروں، احبارات و جرائد اور پریسوں پر اسطرح قبضہ کر لیا تھا کہ ان دونوں ملکوں کے عوام کے ذہن ان کے فراہم کردہ مواد پرپلتے تھے (یہ صورت حال اب بھی برقرار ہے) امریکہ کے نشریاتی ادارے اور بینک یہود کی ملکیت میں جارہے تھے۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ہالی ووڈ اور فلمی دنیا پر ان کا تسلط ہے۔ منشیات اور فحاشی کے کاروبار کے پیچھے انہیں کا سرمایہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ان مصیبتوں سے نجات کا واحد راستہ یہ تلاش کیا گیا کہ اس بلا کو یعنی شرپسند یہود کو عربوں کے سرمنڈھ دیا جائے اور انہیں فلسطین میں آباد کر دیا جائے۔

قارئین کرام: آج بھی امریکہ اور برطانیہ کی سیاست اور مغیشت پر یہودیوں کا اتنا اثر و رسوخ ہے کہ اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کون سی پارٹی برسرِ اقتدار ہے۔ اسرائیل کی حمایت کرنے کی پالیسی نہیں بدلی۔ پچھلی صدی کے آخر میں شائع ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق، امریکہ نے پوری دنیا کو دی جانے والی مالی امداد کا پانچواں حصہ صرف اسرائیل کو دیا، جس کی آبادی دنیا کی آبادی کا 1٪ بھی نہیں ہے۔ یعنی بہت تھوڑی اور قلیل ہے اور ملکوں کے مقابلے میں جہاں ٹرمپ نے سلامتی کونسل

کی شدید مخالفت کے باوجود سن 2017ء یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کر لیا تھا۔

حال ہی میں جو بائیڈن نے بھی اپنے پہلے بیان میں اسرائیل پر راکٹ حملوں کی مذمت کی تھی ۔ امریکہ اسرائیل کی وفاداری میں ہر مشکل وقت میں پیشِ خدمت ہے

(4) قارئین کرام اس موضوع پر ایک اور اقتباس آپ کے سامنے پیش کردینا چاہتا ہوں۔ مسئلہ فلسطین ، مسجدِ اقصیٰ یا بیت المقدس اس وقت ایک سنگین مسئلہ ہے ۔ اور اس موضوع پر ہر شخص اپنی اپنی بات کہہ رہا ہے۔

سیکولر لابی وہ یہود کی ترجمان بن کر یہ دعواہ کر رہی ہے کہ فلسطین کے مسئلے پر اُمتِ مسلمہ کو یہود کا موقف سمجھنا چاہیے کہ وہ ان کا آبائی وطن ہے، یہود ایک نسلی گروہ ہیں ہزاروں سال پہلے وہ یہاں آباد تھے، انہیں ظلم و جبر کے زریعے یہاں سے نکالا گیا، اور طویل جدوجہد کے زریعے انہوں نے وہ زمین یعنی فلسطین دوبارہ حاصل کرلی۔ اب انہیں وہاں پر پورا اختیار حاصل ہے اور فلسطینیوں کے ساتھ وہ وہاں جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ اس میں برحق ہیں۔اس لئے کہ فلسطینیوں کا وہاں پر کوئی حق نہیں اور مسجد اقصیٰ پر امتِ مسلمہ کا کوئی حق نہیں ۔ یہ مسلمانوں کی زیادتی ہے اور یہود یہاں پر مظلوم ہیں۔ یہ موجودہ بیانیہ ہے اس جھوٹے بیانیے میں کتنی حقیقت ہے آئیں دیکھتے ہیں

سوال : کیا سرزمینِ فلسطین مسجدِ اقصیٰ یہودیوں کی تولیت ہے؟

جواب : یہودی کہتے ہیں کہ ہم ہزاروں سال پہلے یہاں آباد تھے، ائیے ہم اس بارے میں دیکھتے ہیں کہ تاریخ اس بارے میں کیا کہتی ہے، چونکہ یہود تاریخ سے مدد لیتے ہیں اس لے ہم بھی پہلے تاریخی پہلو کو پیش کریں گے بعد میں قرآن کو۔ خطہ فلسطین وہ خطہ ہے جہاں ایک زمانے میں حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا نام یعنی لقب اسرائیل تھا۔ ان کے بارہ (12) بیٹے یہاں آباد ہوئے چونکہ ان کا علاقہ فلسطین تھا اس لئے وہ اسی علاقہ میں آباد ہوئے ان ہی بارہ بیٹوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے، اور نسلی یہودی وہ ہیں جو ان بارہ بیٹوں کی اولاد سے ہیں، اب دنیا میں جہاں جہاں یہود پھیلے ہوئے ہیں کتنے ٪ فیصد ہیں جو یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ ان کی اولاد سے ہیں یہ بہت مشکل ہے، اس کے مقابل میں یہ بالکل ثابت ہے کہ دنیا بھر سے لاکر جو یہودی اس خطے میں بسائے گئے ان کی اکثریت کا اس نسل سے کوئی تعلق رہا ہی نہیں ، کچھ

روس کے لوگ تھے کچھ یوکرائن کے اور کچھ پولینڈ کے جنہوں نے صدیوں پہلے یہودیت قبول کرلی اور ان کے زریعے یہودیوں کی تعداد بڑھی اور نسلی یہودیون پر غالب آگئی ۔ ان یہودیوں کو ایک صدی پہلے فلسطین میں لاکر بسانے کی کوشش کی گئی، اس سے پہلے انہوں نے جو زمانہ روس اور اسپین میں گزارا اس دوران ان کے دوسرے اقوام سے رشتے ناطے بھی چلتے رہے اور موجودہ یہودیت میں اکثریت انہیں اقوام کی ہے، اور بنی اسرائیل کے 12 قبیلوں والے یہود وہ تو محض چند فیصد ہیں، اور ان میں بھی خالص نسل ان کی نہیں ہے کیونکہ وہ جہاں جہاں بھی گئے انہوں نے دوسری اقوام سے رشتے ناطے قائم کیے ، اپنی لڑکیاں دئیں اور دوسری کی لڑکیاں لیئں جس سے وہ خود بھی مخلوط قوم بن گئے اگر اس کی عملی تصویر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ اسرائیل کے یہودیوں کی شکلیں دیکھ لیں اور گوگل پر سرچ کرلیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ان کی شکلیں ان کے رنگ و روپ میں بڑا فرق ہے کوئی یورپین ماڈل معلوم ہوتا ہے کوئی یونانی کوئی ائرش کوئی یورپ حتٰی کہ ان کے اندر ترکی اور ہندی خدوخال بھی نظر آجائیں گے تو اب یہ بات تو واضح ہوگئی کہ گو یہود ہزاروں سال پہلے یہاں آباد تھے وہ اب نہیں رہے یا ہیں بھی تو بہت تھوڑی تعداد میں اور وہ بھی مخلوط ہیں جن کا ان کی نسل سے کوئی تعلق نہیں ، یہ تو اس کا ایک تاریخی پہلو تھا لیکن اس سلسلے میں قرآن کیا کہتا ہے آئیے دیکھتے ہیں۔ سورہ انبیاء کے آخر میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ ولقد کتبنافی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبدی الصلحون (105)

ترجمہ :۔ اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ زبور سے وہ آسمانی کتاب مراد ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ذِکر سے مراد تورات ہے، اور آیت کا معنی یہ ہے کہ تورات میں لکھنے کے بعد زبور میں لکھ دیا۔(ان الارض یرثھا عبادی الصلحون) کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے شام کی زمین مراد ہے جس کے وارث اللہ تعالٰی کے وہ نیک بندے ہوں گے جو اس وقت شام میں رہنے والوں کے بعد آئیں گے (الانبیاء) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس وعدے کا ایفا خلفائے راشدین کے دور میں ہوا کہ وہ سرزمین جو یہود کے پاس تھی ان کے بدبختیوں کی وجہ سے بازنطینیوں کے قبضے میں چلی گئی اور پھر مسلمانوں نے اسے حاصل کرلیا اور پھر وہاں اسلام کاعدل قائم ہوا۔ مورخینِ اسلام نے لکھا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی حصہ لیا تھا۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اب یہودی مسلمانوں سے مسجدِ اقصیٰ کے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ یعقوب علیہ السلام موحد اور توحید پرست تھے اور یہودی تورات میں تحریف

کرنے کی وجہ سے کافر ہوچکے ہیں ۔ لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہودی کافر اس میں کچھ بھی حق رکھیں ۔ ویسے بھی انبیاء کی دعوت نسلی نہیں بلکہ دینِ اسلام اور تقویٰ پر مشتمل ہوتی ہے۔ سرزمین فلسطین ، القدس شریف میں اب یہودیوں کا کچھ حصہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ علاقہ دو 2 وجوہ کی بنیاد پر مسلمانوں کی ملکیت بن چکا ہے ، اگر چہ پہلے وہاں کچھ یہودی رہتے رہے ہیں

(1) اس لئے کہ یہودیوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ بنی اسرائیل کے مومنوں کے دین پہ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی پیروی و اتباع کیا اور ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی ---- یہود ان کے دینِ اسلام پر واپس نہیں آئے اور ان کی شریعت پر عمل نہیں کیا ۔

(2) دوسرا یہ کہ مسلمان دور جدید کے یہود سے اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے ۔ اس لئے کہ زمین پہلے رہائش اختیار کرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ زمین کا مالک تو وہی بنتا ہے جو اس میں حدود اللہ کا نافذ کرے اور اس میں اللہ تعالٰی کے حکم کو چلائے ۔ وہ اس لئے کہ زمین اللہ تعالٰی نے پیدا فرمائیں اور انسانوں کو اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ اس زمین پر رہتے ہوئے اللہ تعالٰی کی عبادت کریں اور اس میں اللہ تعالٰی کا دین اور شریعت و حکم نافذ اور قائم کریں۔ اللہ سبحانہ و تعالٰی کا ارشاد ہے: ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادی والعاقبۃ للمتقمین ۔ ترجمہ یقینا زمین اللہ تعالٰی کی ہے ۔ وہ جسے چاہیے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث بنادے اور آخر کامیابی انہیں کو ہوتی ہے جو پرھیزگار ہیں (الاعراف 128) اس آیت شریف میں مومینین اور پرھیزگاروں کیلئے بشارت ہیں۔ اسی لئے اگر کوئی عرب قوم بھی وہاں ایسی آجائے جو کہ دینِ اسلام پر نہ ہوں اور وہاں کفر کا نفاذ کرنے لگے تو اس سے بھی جہاد کیا جائے گا حتٰی کہ وہاں اسلام کا حکم نافذ ہو جائے ۔ عرض یہ معاملہ نسلی اور معاشرتی نہیں بلکہ توحید و اسلام کا معاملہ ہے اس ضمن میں ہم ایک فاضل مقالہ نگار کی تحریر پیش کرتے ہیں۔

"تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ فلسطین میں سب سے پہلے بود و باش اور سکونت اختیار کرنے والے کنعانی تھے، صہینیوں نے چھ ہزار سال قبل وہاں رہائش اختیار کی ۔ یہ ایک عرب قبیلہ تھا اور جزیرہ عربیہ سے فلسطین میں آیا ۔ کنعانیوں کے آنے کے بعد ان کے نام سے اسے فلسطین کا نام دیا گیا۔" (دیکھیں کتاب: الصیہونیۃ نشاتھا تنظیماتھا، انشتطھا۔ تالیف احمد العوضی ص 7)

اور یہودی تو یہاں فلسطین پر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے آنے کے تقریبا چھ سو سال بعد آئے ہیں۔ یعنی اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہودی فلسطین میں پہلی مرتبہ چودہ سو سال

قبل میلاد میں آئے ۔ اسی طرح کنعانی یہودیوں سے چار ہزار پانچ سو سال پہلے فلسطین میں داخل ہوئے اور اسے اپنا وطن بنایا۔" (دیکھیں درج بالاکتاب صفحہ نمبر 8)

اسی طرح یہ تاریخی طور پر بھی ثابت ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا نہ تو اب کوئی شرعی اور دینی حق ہے اور نہ ہی قدیم رہائشی اور مالک ہونے کے اعتبار سے ہی حق ہے ۔ بلکہ یہ لوگ یہودی اور اسرائیل سر زمین فلسطین پر غاصب اور ظالم ہیں۔

جب یہ سرزمین اللہ تعالٰی کے نیک بندوں کے لئے ہے۔ پہلے بھی یہاں اللہ تعالٰی کے نیک بندے آباد تھے یہ انبیاء کا مدفن ہے اس لئے سر زیمن فلسطین کو سر زمین انبیاء کہا جاتا ہے۔ اور مہبطِ وحی ہے اور ہر زمانے میں یہ اللہ تعالٰی کے نیک بندوں کی عبادت کا مرکز رہا ہے تو یہاں پر دنیا کے شریر ترین اور بدبخت ترین لوگ جن کے مکر و فریب سے ساری دنیا تنگ تھی اور آج بھی تنگ آچکی ہے جنہیں ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے اگر انکی کہیں عزت کی جاتی ہے تو بس انکی دولت اور ان کی سیاسی اثر و رسوخ کی بنیاد پر تو ایسے بدبختوں کو یہ پاک سرزمین کیسے دی جاسکتی ہے جب ہم کوئی عام مسجد کسی کافر و مشرک کے حوالے نہیں کرتے تو مسجدِ اقصٰی کو یہود کے حوالے کیسے کیا جاسکتا ہے اور اسی طرح پورا سرزمین فلسطین کو کیسے ان کے حوالہ کیا جائے ۔ سیکولر لابی اس کا اپنا جو جھوٹا بیانیہ ہے وہ اپنے پاس رکھے ہم قرآن کے مطابق چلیں گے اور حق کے ساتھ چلیں گے اور باطل اپنے مکر و فریب کے ساتھ دفن ہو جائے گے انشاءاللہ ۔

قارئین کرام : اس تفصیلی تاریخی بحث کے بعد آپ جان گئے کہ یہود اسرائیل سر زمین فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہیں۔ وہ دوسری ملکوں سے آئے ہوئے ہیں۔ سرزمین فلسطین کنعانیوں فلسطینیوں کی اصلی ملکیت ہیں۔ اسی طرح مسجد اقصٰی پر بھی ملکیت و تولیت کے حقدار فلسطینی مسلمان ہے۔ اسطرح یہود کا یہ دعوی بھی غلط ثابت ہوا کہ یہاں ہیکل ہے یعقوب علیہ السلام نے جو تعمیر میں حصہ لیا تھا۔ وہ مسجدِ اقصٰی تھا نہ کہ ہیکل ۔ مسجدِ اقصٰی کس پیعمبر کے زمانے میں کس پیعمبر کے ہاتھوں سے تعمیر ہوئی اس میں بعض مورخین کا اختلاف ہیں اس پر ہم تفصیلی بحث قرآن و *سنت کی روشنی میں باب نمبر 3 میں پیش کرینگے ۔ باقی یہ موضوع وہاں ملا خظہ کیجئے*۔اور مسجد مسلمانوں کی میراث ہوتی ہے نہ کہ کافروں اور مشرکوں کا ۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہود دینِ اسلام پر نہیں تھے بلکہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منہ موڑ کر کفر و ارتداد کا راستہ اختیار کرلیا تھا۔ جیسا کہ قرآن شریف اس پر بار بار شاہد ہے۔ اور دوسرا یہ کہ سرزمین فلسطین انبیاء علیہیم السلام کی سرزمین و

مدفن ہے اور تمام انبنیاء سب کے سب مسلمان تھیں۔ نہ کہ وہ یہودیت کے علمبردار تھے۔ بلکہ وہ سب دینِ اسلام کے رکھوالے تھیں۔ اور یہود دین اسلام سے باغی و سرکش تھے۔ اور ہزاروں انبیاء کرام کے قتل میں شریک تھے۔ تو ایسے کمینے اور بدنصیب لوگوں کو کیوں اس مقدس سرزمینِ کی ملکیت اور تولیت حاصل ہو۔ اس ساری حقیقت آشکارا ہونے کے بعد بھی اگر کوئی یہودیت کے لئے وکالت کرتے ہیں تو وہ بھی ان یہودیوں کی طرح ازلی بدنصیب، بدبخت ہوگا۔ اللہ تعالٰی ہمیں ان لوگوں میں سے نہ کریں جو دینِ اسلام کے مخالف کے صف میں کھڑے ہو۔ اور مظلوم مسلمانوں کے مقابلے میں ظالم کافروں یہودیوں کو سپورٹ کریں۔ باطل کیلئے حق سے روگردانی کریں۔**3** تیسرا یہ کہ یہود اپنے آپ کو اللہ تعالٰی کا محبوب قوم سمجھتے ہیں تو یہ ان کی وہم ہے ۔ جب یہود مسلمان نہ رہیں تو انہیں یہ محبوبیت کیسی رہی۔ اللہ تعالٰی کے ہاں محبوبیت و مقبولیت اور فضلیت و برتری تقویٰ اور پرھیزگاری میں ہے وہ قوم اللہ تعالٰی کے ہاں محبوب ہے جو مسلمان اور مومن ہو۔

سلطنتِ عثمانیہ کا آخری با احتیار خلیفہ

سلطان عبدالحمید ثانی اور مسئلہ فلسطین

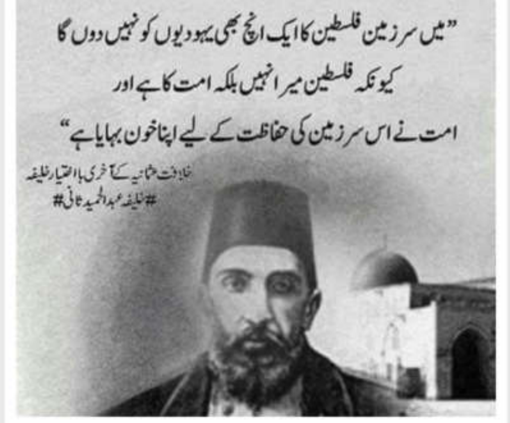

قارئین کرام : قصہ مختصر کچھ یوں ہے کہ اسپین کے قتل عام سے بچ جانے والے یہودیوں کے ساتھ عثمانیوں کی ہمدردی کے باوجود یہودیوں کی یروشلم کو بار بار کی نقل مکانی کی عزائم اور ان کی کوششوں کے خلاف اپنے اقتدار کی مدت بھر میں عثمانیوں نے بند باندھے رکھا۔ جب ان کے لئے ، مکہ مکرمہ ، مدینہ منورہ اور فلسطین کے علاوہ اپنی پوری سلطنت کے مقامات کو وسعت قلبی کے ساتھ کھول دیا گیا تھا، لیکن یہود ان کے احسان مند نہ رہے بلکہ یروشلم اور فلسطین کے طرف اپنے دیرینہ عزائم

اور خواب کی تکمیل کو شروع کردیا ۔ اب سے کوئی 75 یا 80 برس قبل تک یعنی 1943-46 تک پورے فلسطین میں کسی ایک جگہ بھی کوئی یہودی بستی موجود نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عثمانی خلفاء نے پابندی لگا رکھی تھی کہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں رہنے والے یہودی اپنے مقدس معامات کی زیارت کے لئے وزٹ ویزے پر فلسطین آسکتے ہیں اور چند روز قیام کر سکتے ہیں۔ لیکن انہیں فلسطین میں زمین خرید نے اور آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ عثمانی خلفاء کے علم میں یہ بات تھی کہ یہودی فلسطین میں بتدریج آباد ہونے اور اس پر قبضہ جمانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں تاکہ وہ اسرائیل کی نام سے اپنی ریاست قائم کرسکیں۔ اس لے اس سلسلہ میں عثمانی خلافت کا رویہ بے لچک تھا اور وہ کسی قیمت پر یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کا موقع فراہم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ "مشہور یہودی اور صہیونی لیڈر تھیوڈو ہرٹزل نے 1897ء میں صیہونی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ وہ لوگ اسرائیل کی ریاست قائم کرنے کے لئے سرزمین فلسطین کا انتخاب کرچکے تھے۔ طویل سالوں کی سازشوں اور منصوبہ بندی کے بعد 1901ء میں سلطان عبدلحمید خان، سلطانی ترکی کو باقاعدہ پیغام بھجوایا کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں۔ آپ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کا اجازت دے دیں مگر سلطان عبدالحمید خان نے اس پیغام پر تھوک دیا جس شخص کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا تھا اس کا نام تھا حافام قرہ آفندی ۔ یہ سالونیکا کا باشندہ تھا اور کٹر یہودی تھا۔ ان یہودی خاندانوں میں سے تھا جو سپین سے نکالے جانے کے بعد ترکے میں آباد ہوئے تھے۔

سلطان عبدالحمید خان کا یہ جواب سن کر ہرٹزل کی طرف سے ان کو صاف صاف یہ دھمکی دے دی گئی کہ تم اس کا بُرا نتیجہ دیکھو گے۔ چنانچہ اس کے بعد فورا ہی سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں شروع ہوگئیں۔ جن میں فری میسن ، دونمہ، اور وہ مسلمان نوجوان شریک تھے جو مغربی تعلیم کے زیر اثر آکر ترکی قوم پرستی کے علمبرکار بن گئے تھے ۔ ان لوگوں نے ترکی فوج میں اپنے اثرات پھیلائے اور 7 سات سال کے اندر ان کی سازشیں پختہ ہو کر اس منزل پر پہنچ گئیں کہ سلطان عبدالحمید کو معزول کردیا گیا۔ اس موقع پر جو انتہائی عبرتناک واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ 1908ء میں جو تین آدمی سلطان کی معزولی کا پروا نہ لے کر ان کے پاس گئے تھے ان میں دوترک تھے اور تیسرا وہی حافام فرہ صو آفندی یہودی تھا جس کے ہاتھ ہرٹزل نے فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ سلطان کے پاس بھیجا تھا (بخوالہ القدس)

چنانچہ سلطان کا اقتدار 27 اپریل 1909ء کو ختم ہو گیا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے برداری کے کہنے پر اسے فلسطین منہ مانگی رشوت کے عوض دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آئیے اس کی روئیداد بھی سن لیجئے: " 1901ء میں صہیونی تحریک کے سربراہ تھیوڈو ہرٹزل نے خلافت عثمانیہ کے 25 ویں خلیفہ اور عثمانی سلطنت کے 34 ویں سلطان ، سلطان عبدالحمید ثانی کو پیشکش کی کہ اگر آپ سرزمین فلسطین میں یہودی آباد کاری کی اجازت دے دیں تو ہم اپ کو سونے کے 150 ملین برطانوی پونڈز دیں گے۔"

سلطان نے جواب دیا " اگر تم مجھے 150 ملین برطانوی پونڈز کے بجائے وہ سارا سونا بھی دے دو جو پوری دنیا میں پایا جاتا ہے تو بھی مجھے تمہاری پیشکش قبول نہیں، کیونکہ میں پچھلے 30 سال سے اسلامی دنیا اور اُمت محمدیہ ﷺ کے مفادات کا نگہبان ہوں ۔ میں کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھاؤں گا جس سے مسلمانوں ، میرے آبا و اجداد اور خلفا و سلاطین پر دھبہ لگے۔ میں یہودیوں کو سرزمینِ فلسطین کا ایک انچ بھی نہیں دینے والا، کیونکہ یہ میری ملکیت نہیں بلکہ اُمت کا ہے اور اُمت نے اس کی حفاظت کیلئے خون بہایا ہے۔

سلطان عبدالحمید خان ، جو یہودی عزائم کے سامنے ایک مضبوط دفاعی چار دیواری بن کر کھڑے تھے 1908 ء میں معزول کردیے گئے یہ واقعی اس وقت یہودیوں کے لئے خوشی اور مسرت کی لہر بن گیا، اور یروشلم اور دیگر فلسطین میں یہودی تارکینِ وطن کی ہجرت کا ریلہ بہہ نکلا۔ ترکی سے خلافت کی بساط لپیٹ دی گئی اور ایک فری میسن ترک مصطفیٰ کمال پاشا کو ترکی پر مسلط کردیا گیا۔ اس نے ترکی کو مکمل طور پر ایک لا دین ریاست بنا دیا۔

قارئین کرام: یہ تھا سلطنت عثمانیہ کا آخری با آختیار حلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی کے تاثرات اور عزم سرزمین فلسطین کے بارے میں وہ تاریخی الفاظ جو سونے پر لکھنے کے قابل ہے کہ "میں سرزمین فلسطین کا ایک انچ بھی یہودیوں کے حوالہ نہیں کرونگا کیونکہ یہ امتِ محمدیہ ﷺ کی ملکیت ہے"۔ مگر ان کے معزولی کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا جو بظاہر مسلمان اور درپردہ اصلا و نسلا یہودی تھا اور سیاسی میدان میں یہودی ان کے پشت پر کھڑے تھے۔ ان کو برسرِ اقتدار میں لانے کے بعد و متحرک ہوئے۔ پہلا کام ان کا یہ تھا کہ ترکی جو ایک اسلامی ریاست تھا اس کو غیر اسلامی ریاست میں تبدیل کردیا۔ اور دوسرا سرزمین فلسطین کو اسرائیل کے حوالے کیا ۔ اور وہاں یہودیوں کیلئے امریکہ اور برطانیہ کے مدد سے ایسے قوانین متعارف کروایے کہ اسرائیل فلسطین میں اس قوانین کے تحت زمینیں اور جائیدادیں خرید سکیں۔ اسی ناجائز قوانین کے روسے

یہودی جوق در جوق محتلف ممالک سے آکر فلسطین میں آباد ہونے لگے اور مسلمانوں کے ذاتی املاک اور جائیدادوں پر زبردستی سے قابض ہونے لگے اور آج پورا فلسطین ان یہودیوں کی قبضے میں ہیں۔ مسجد اقصٰی ، بیت المقدس پر اسرئیلی کنٹرول ہے اور وہاں کے فلسطینی مسلمان در بدر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ترک مصطفیٰ کمال پاشا اور کئے غداروں کے وجہ سے سرزمین فلسطین اور اس میں تاریخی مسلم ورثہ مسجد اقصٰی ، بیت المقدس ، قبتہ الصخرہ مسلمانوں کے قبضہ اور ملکیت سے فلحال نکل چکا ہے۔ 1947ء سے پہلے پورا فلسطین مسلمانوں کا وطن تھا مگر اب 1948ء کے بعد پورے فلسطین اور تاریخی مقامات پر ناجائز غیر ائینی اور غیر قانونی طور پر یہودی اور اسرائیل قابض اور آباد ہو چکے ہے۔ اور تاخال بھی یہی سلسلہ جاری ہے۔

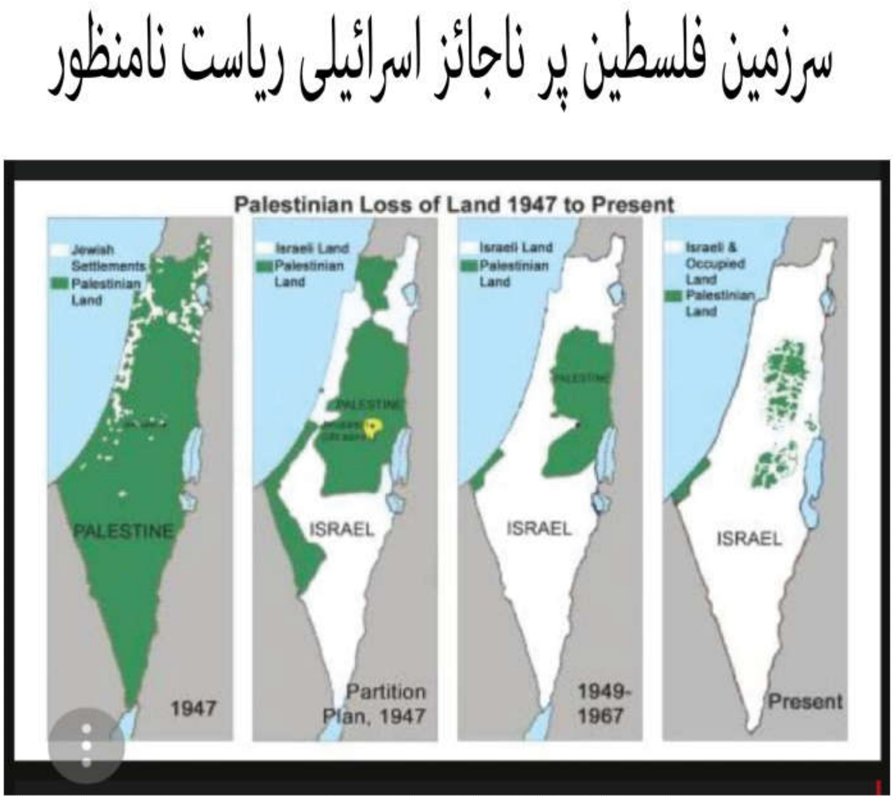

باب نمبر 3

مولانا عمار خان ناصر صاحب اور مسجد اقصیٰ پر تولیت کا مسئلہ اور ہم

قارئین کرام :- عمار خان ناصر صاحب کے کتاب " براہین" کے چند اقتباسات پڑھ کر جو انہوں نے مسجد اقصی کے تولیت پر لکھے ہے بندہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ عمار خان صاحب کی میلان اس مسئلہ میں " اسرائیل " یہود کی طرف ہے۔ اپنے استاد جاوید احمد غامدی کی طرح وہ اس مزموم مقصد کیلئے ہر حد پار کرچکے ہیں ۔ قرآن و سنت و مستند تاریخی روایات کو چھوڑ کر اس کی بجائے وہ اسرائیلیات اور اپنی قیاس پر اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ کسی بھی طریقے پر یہود کیلئے مسجد اقصی پر تولیت ثابت کرنے میں بضد اور مصروف عمل ہے۔ تمام اُمتِ مسلمہ سے ہٹ کر اپنا الگ رائے اختیار کر چکاہے۔ امتِ مسلمہ کا رائے اور موقف اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مسجدِ اقصی پر تولیت کے حقدار شرعی ، قانونی اور اصولی طور پر فلسطینی مسلمان ہے جبکہ عمارخان ناصر صاحب کی موقف اس کے خلاف ہے وہ مسجدِ اقصٰی پر تولیت کے حقدار "یہود" کو گرد انتے ہیں۔ اس کا یہ فعل اور قلبی میلان یہود کی طرف بہت تعجب خیز ہے ۔ مثال کے طور پر وہ عمار خان ناصر صاحب ایک جگہ پر لکھتے ہیں۔

" یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ قبۃ الصخرہ سمیت پورے احاطہ ہیکل کو سیدنا سلیمان علیہ السلام کی مسجد کا حصہ ہونے کے متعلق سے ایک عمومی تقدس اور احترام کا مرتبہ تویقینا حاصل ہے لیکن (مسلمانوں کو) موجودہ مسجدِ اقصٰی کے علاوہ پورے احاطہ ہیکل کی تولیت اور تصرف کا حق جتانے اور یہودیوں کے حق کی کلیتا نفی کرنے کا دینی و تاریخی لحاظ سے نہ کوئی جواز ہے اور نہ ضرورت ۔ ہمارے نزدیک یہی و نکتہ ہے جو اس تنازع میں ایک قابل عمل حل کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ---- جہاں تک ہیود کا تعلق ہے ان کی دلچسپی بعینہِ ان بنیادوں پر تیسرے ہیکل کی تعمیر سے ہے جن پر سیدنا سلیمان علیہ السلام نے پہلا ہیکل تعمیر فرمایا تھا۔ ہیکل کی تباہی کو صدیاں گزر جانے کے بعد اس کی چاردیواری میں توسیع اور متعد د بار تعمیرات کے نتیجے میں ہیکل کی اصل بنیادوں کی متعین طور پر نشان دہی تو زیر زمین کھدائی اور اثراتی تحقیق کے بغیر ممکن نہیں۔ تاہم بائبل اور تالمود میں بیان کردہ تفصیلات کی روشنی میں یہودی علماء نے تخمینا اس کی تعین کی کوشش کی ہے ---- جس مقام کو بھی ہیکل کا اصل محلِ وقوع مانا جائے موجودہ مسجدِ اقصٰی اس کی زد میں نہیں آتی ---- قبۃ الصخرہ کا ایریا (area) یعنی اس کی جگہ تو مسلمانوں کے لئے ممنوع

قرار دیا جائے لیکن مسجدِ اقصیٰ چونکہ ہیکل کی اصل عمارت کے اندر شامل نہیں اس لئے وہاں مسلمانوں کے حقِ تولیت کو محفوظ رکھتے ہوئے احاطہ ہیکل کے تنازع کا ایک معقول حل موجود ہے ۔ براہین (396 ، 397)

مزید لکھتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک قرآن مجید کے صریح نصوص کی روشنی میں اس امر میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام کے یہ دونوں حصے (یعنی بن اسماعیل اور بنی اسرائیل) سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی اصل ملت سے منحرف اور اُس کے مقاصد و مطالبات کو پورا کرنے میں ناکام ہوئے اور یہ بات بھی شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ اس انحراف کی پاداش میں مشرکین بنی اسماعیل کو بیت الحرام ، جبکہ بنی اسرائیل کو مسجد اقصی کے حق تولیت سے محروم کیا گیا، البتہ ان دونوں گروہوں کے حق تولیت سے محروم کی جانے کی نوعیت میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ مشرکین بنی اسماعیل کا حق تولیت تو از روئے شریعت ابدی طور پر منسوخ کردیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دوبارہ بیت اللہ پر متصرف ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ۔ اس کے برعکس بنی اسرائیل کو شرعی طور پر نہیں بلکہ محض تکوینی طور پر مسجدِ اقصی کی تولیت سے محروم کیا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس عبادت گاہ کے دوبارہ ان کے زیر تصرف آنے میں حالات و واقعات کی پیدا کردہ عملی رکاوٹوں کے علاوہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم مانع نہیں اور اللہ تعالیٰ جب چاہیں ایسے حالات و اسباب پیدا فرماسکتے ہیں کہ یہ امکان حقیقت کا روپ دھارلے ۔ اس ضمن میں ہمارا استدال دو نکتوں کی تشریح چاہتا ہے۔ ایک یہ کہ تشریعی احکام اور تکوینی امور کے دائرے بالکل الگ الگ ہیں اور علمی لحاظ سے دونوں کو باہم خلط ملط نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے یہ کہ مسجدِ اقصی کی تولیت سے یہود کی محروم کے جانے کی نوعیت کسی شرعی حکم کی نہیں بلکہ ایک تکوینی امر کی ہے "براہین:(250، 251) ۔

ایک اور اقتباس پیش خدمت ہے " ہمارے نزدیک اس معاملے میں سب سے نازک سوال امت مسلمہ کی اخلاقی پوزیشن کا ہے ۔۔۔ کہ امت مسلمہ کے سیاسی اور معاشرتی وجود میں بامقصد بقا کے لے سب سے پہلے اس کے اخلاقی وجود کا تخفظ ضروری ہے۔ اگر امت کسی معاملے میں اجتماعی طور پر ایک غیر اخلاقی رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ ایک سنگین صورتحال ہے جس کی اصلاح کی کوشش باقی تمام کوششوں سے بڑھ کر ہونے چاہئے۔ کسی قوم کو داخلی احتساب پر آمادہ کرنا ویسے بھی کوئی آسان کام نہیں لیکن اس کے ساتھ جب اجتماعی نفسیات میں یہ غرور بھی ہو کہ ہم تو خدا

کی آخری شریعت کے حامل اور افضل الرُسل کی امت ہیں ۔ جبکہ ہمارا مخالف گروہ ایک مغضوب و ملعون گروہ ہے تو عدل و انصاف اور غیر جانب داری کی دعوت فی الواقع کوئی آسانی سے ہضم ہونے والی چیز نہیں رہ جاتی ۔ "براہین (379)

مزید یہ"کہ" مسجدِاقصی کی خیثت یہود کے نزدیک کسی عام عبادت گاہ کی نہیں بلکہ وہی ہے جو مسلمانوں کے نزدیک مسجد حرام اور مسجدِ نبوی کی ہے ۔ مسلمان اپنی عام عبادت گاہوں کے بر خلاف ان دونوں مساجد کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ اگر خدانخواستہ کبھی وہ ان کے ہاتھ سے چُھن جائیں اور کسی دوسرے مذہب کے پیروکار اسے اپنی مذہبی یا دنیاوی سرگرمی کا مرکز بنالیں تو ان پر سے مسلمانوں کا حق ختم ہو جائیگا ۔ اپنے قبلے کے بارے میں یہ احساسات و جذبات دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والوں میں پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے حوالے سے مانا جانے والا یہ اصول عدل و انصاف کی روسے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے لئے بھی تسلیم کیا جانا چاہیں۔ اس عبادت گاہ کے ساتھ قومِ یہود کی قلبی وابستگی اور اس کی بازیابی کے لئے ان کی تمناؤں اور اُمیدوں کی تصویر خود مولانا مودودی نے یوں پیش کی ہے ۔ دو ہزار برس سے دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار مرتبہ یہ دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کریں ۔ ہر یہودی گھر میں مذہبی تقریبات کے موقع پر اس تاریخ کا پورا ڈرامہ کھیلا جاتا ہے کہ ہم مصر سے کس طرح نکلے اور فلسطین میں کس طرح سے آباد ہوئے اور کیسے بابل والے ہم کولے گئے اور ہم کس طرح سے فلسطین سے نکالے گئے اور تتربتر ہوگئے۔ اس طرح یہودیوں کے بچے بچے کے دماغ میں یہ بات 20 صدیوں سے بھٹائی جارہی ہے کہ فلسطین تمہارا ہے اور تمہیں واپس ملنا ہے اور تمہارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کرو ۔ 12 بارہویں صدی کے مشہور یہودی فلسفی موسی بن میمون نے اپنی کتاب شریعت یہود (The code of jewesh law) میں صاف صاف لکھا ہے کہ ہر یہودی نسل کا فرض ہے کہ وہ بیت المقدس میں ہیکل سیلمانی کو ازسرِنو تعیمر کرے ۔-"عمار خان ناصر صاحب مزید لکھتے ہے کہ " مرکزِ عبادت اور قبلہ کی حیثیت رکھنے والے مقام و حیثیت ، اس کی تباہی و بربادی پر ان کے دلوں میں ذلت و رسوائی کے احساسات اور اس کی بازیابی کے حوالے ان کے سینوں میں صدیوں سے تڑپنے والے مذہبی جذبات بھی ایک مسلمہ حقیقت ہیں ۔ یہ ایک نہایت اعلی مبارک اور فطری جذبہ ہے اور خود قرآن مجید یہود سے ان کے اس مرکز عبادت چُھن جانے کی وجہ ان کے اخلاقی جرائم کو قرار دینے کے

ساتھ ساتھ اس امکان کو بھی صراحتا تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے اور ان کی آزمائش کے لئے اس مرکز کو دوبارہ ان کے تصرف میں دے دے ۔ ۔(براہین 400)

" احاطہ ہیکل جو کہ آج کل الحرم شریف کے نام سے معروف ہے بحالت موجودہ تقریبا 45 ایکڑ رقبے پر موجود مشتمل ہے---- اسی احاطہ کے اندر کسی مقام پر سیدنا سلیمان علیہ السلام نے وہ شاندار عبادت گاہ تعمیر کی تھی جو تاریخ میں ہیکل سلیمانی کے نام سے معروف ہوئی ۔ ہیکل کی اصل عمارت کی بنیادیں ، اس کی تعمیر کا نقشہ اور حدود اسرائیلی شریعت میں بالکل متعین تھیں اور ان میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں تھا"

"288 ء میں عبدالملک بن مروان نے اپنے دور حکومت میں احاطہ کے تقریبا وسط میں واقع صخرہ ، بیت المقدس (بیت المقدس کی چٹان) پر بھی ایک شاندار قبہ تعمیر کرایا"

اس وقت عملی طور پر صورتِ حال کے لحاظ سے یہ پورا احاطہ صدیوں سے مسلمانوں کے زیرِ تصرف ہے اور اس تسلسل کی بنیاد پر یروشلم (یعنی بیت المقدس) کے مسلم واقف کا موقف یہ ہے کہ اس احاطے کے ایک انچ جگہ پر بھی یہودی کوئی حق نہیں رکھتے اور اس کے کسی بھی حصے پران کو تولیت و تصرف کا حق دینا احکامِ شریعت کے بالکل خلاف ہے " براہین 394، 395

قارئین کرام :۔ یہ تھیں وہ اقتباسات جو ہم نے بطور نمونہ آپ کے سامنے پیش کئے۔ جناب مولانا عمار خان ناصر صاحب تحریب کاری کے ساتھ ساتھ ، تحریفِ لفظی و معنوی میں اپنے اُستاد سے بھی بڑھ کر ہے۔

ایک صیانے کا قول ہے کہ " یہود کو سمجھنے کےلئے اُن کے اذہان پڑھ لینا چاہئے" اور ان کے آلہ کار اور سہولت کاروں کو سمجھنے کیلئے ان کے تقریرات اور تحریرات پڑھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ آپ خود سمجھ سکے کہ یہود اور ان کے سہولت کار کتنے سازشی، جھوٹے ، فریب کار ، دغہ باز اور دھوکے باز ہیں۔"

مجھے مولانا عمار خان ناصر صاحب کے تحریرات میں یہودیت کی جھلک نظر آرہی ہے۔ کہ جناب یہودیوں کے لئے کتنا سنجیدہ اور رنجیدہ ہے اور کتنا دردِ دل رکھتا ہے۔ اور مسجد اقصی پر تولیت اور اس کے دوبارہ بازیابی کیلئے وہ یہود سے کہے زیادہ خود

کتنا متمنی اور حریص ہے ۔ یہ اندازہ میں نے ان کے تحریرات سے خود محسوس کیا۔ اور یقینا آپ نے بھی محسوس کیا ہوگا۔

آنجناب کے اقتباسات سے کچھ اہم نتائج و نکات آخذ ہوتے ہیں جو میں آپ کے سامنے لفظ بہ لفظ ترتیب وار واضح کردینا چاہتا ہوں جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

(ا) اُن کے تزدیک مسجدِ اقسصی کے بانی اور معمار صرف اور صرف حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام ہے؟

(2) مسجدِ اقصٰی کے قرب و جوار وہ احاطہ ہیکل سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی جگہ پر ہیکل سلیمانی کے قائل ہے؟

(3) مسجدِ اقصٰی پر تولیت کے حقدار مانتے ہے وہ مسلمان مگر امانتا ان کے نزدیک مسجدِ اقصٰی پر تولیت کے حقیقی حقدار یہود ہے۔؟

(4) جس طرح یہودی ہیکل کی جگہ اور دریافت میں شکی ہے وہ بھی اس طرح شکی ہے؟

(5) قرآن و سنت کی بجائے اس کے دلائل اسرائیلی روایات اور اسرائیلی شریعت کے بل بوتے پر کھڑے ہیں آئیے دیکھتے ہیں کہ ان کے دعوؤں میں کتنی حقیقت ہیں۔

قارئین کرام :۔ پہلے ہم چند نکات پر قلم گھماتے ہیں اس کے بعد مندرجہ بالا سوالات پر تفصیلی بحث کرینگے انشاء اللہ۔ (ا) احاطہ ہیکل :۔ یہ جناب کا خود ساختہ اصطلاح و اختراع ہے پوری اسلامی تاریخ میں مسجدِ اقصٰی کے قرب و جوارمیں یعنی آس پاس کے علاقہ کیلئے یہ اصطلاح استعمال نہیں ہوا ہےجیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے " سبحان الذی اسرا بعبدہِ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی زمانہ قدیم سے یہ پوار احاطہ و علاقہ مسجدِ اقصٰی یا بیت المقدس سے معروف ہیں۔ قرآن و حدیث میں کہیں پر بھی " احاطہ ہیکل" وارد نہیں ہوا ہے مگر اس کے برعکس مسجد اقصی اور بیت المقدس وارد ہوا ہے ۔ مثلا ایت بالا میں لفظ مسجدِ اقصی وارد ہوا ہے ۔ اسی طرح احادیث میں مسجدِ اقصی اور بیت المقدس وارد ہوا ہے مثلا :۔ حضرت حذیفہ بن یمان کی روایت میں ہے۔ " اصلی رسول اللہ فی بیت المقدس فامتلا المسجد"

2 معراج کی رات آپ علیہ السلام مسجدِ اقصی میں داخل ہوئے اور آپ کے اعزاز کےلئے انبیاء کو جمع کیا گیا ، اس کا ذکر یوں ہے۔ " ثم دخلت بیت المقدس فجمع لی

الانبیائ۔" 3 نسائی شریف میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں مسجدِ اقصی کی تعمیر کا ذکر ان الفاظ میں ہے "لما فرغ سلیمان من بناءِ بیت المقدس سال اللہ ثلاثا" 4 اللہ تعالٰی نے مسجدِ اقصی کو اپ علیہ السلام کے سامنے ظاہر کردیا اس کا ذکر یوں ہوا ہے ۔" فجلا اللہ لی بیتالمقدس" 5 امام ابی داؤد نے باب باندھا ہے : باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدسَ " 6 امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں ۔ وقولہِ (اِلی المسجدِ الاقصی) اِتفقو اعلی ان المراد منہ بیت المقدس" میرے علم اور معلومات کے مطابق یہیں پر بھی قرآن و سنت میں مسجدِ اقصیٰ او بیت المقدس کے علاوہ ان کے لئے احاطہ ہیکل کا نام نہیں ملا۔ یہاں تو ان کی پہلی دجل اشکارہ ہوگئی۔ (2) دوسرا نکتہ : زیر زمین کھدائی:۔ یہود ہیکل کو بہانہ بنا کر مسجد اقصی کو کسی طریقے سے گرانا چاہتے ہیں اس کے لئے وہ قسم قسم کے منصوبے بنا چکے ہے ایک منصوبہ مسجد اقصی کے آس پاس زیرِ زمین کھدائی ہے ۔ جب اسرائیل نے اپنے قیام کے 19 سال بعد ہی جون 1967 ء میں مسجدِ اقصی پر قبضہ کرلیا ۔ یہودی مسجد اقصی (بیت المقدس) کی جگہ ہیکل کی تعمیر کے خواہاں ہیں اور ان کی یہ خواہش 2 دو ہزار سال پر محیط ہے یہودیوں نے اپنی اس خواہش کی آگ میں جلتے ہوئے مسجدِ اقصی ہی کو پھونک ڈالنی کی جسارت کی بعدازاں ہیکل کے کھنڈرات کی تلاش کے نام پر القدس کی بنیادوں کے ساتھ سرنگیں کھودی گئی اور اب اگلے مرحلے میں مسجدِ اقصی کو یکدم منہدم کرنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ یہ ہے اصل حقیقت ہیکل کی جس کیلئے وہ ہر حد پار کر چکے ہیں۔

(3) تیسرا نکتہ:۔ تاہم بائبل اورتالمود میں یہودی علمانے تخمینا اس کی تعین کی کوشش کی ہے " قرآن اور حدیث رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے بائبل اور تالمود کا حوالہ دینا کیا معنی رکھتی ہیں۔ عمار خان ناصر صاحب تو یہودی علماء کے قول و فعل تو بطور دلیل خود پیش کرتے ہیں۔ مگر اس کے خلاف علماء حقانی کے قول و فعل جو قرآن و سنت کے عینِ مطابق ہے وہ ردی کے ٹھوکری میں پھینک دیتے ہے۔ مزید علمائے اسلام کے دلائل اس موضوع اور مسئلہ پر سن کر غصے میں آجاتے ہے۔ کچھ گڑبڑ تو ضرور ہے ۔ دال میں کچھ کالا ہے بلکہ سب دال ہی کالا ہے۔

(4) چھوتا نکتہ : تخمینا اس کی تعین کی کوشش کی ہے 2000 سال گزرنے کے باوجود بھی یہودی علماء شک میں ہے ۔ کہ نام نہاد ہیکل کی اصل جگہ کونسی ہے یہ تعین ان کے لئے مشکل ہیں۔ صرف اندازوں اور قیاسات کے بنیاد پر ایک اسلامی تاریخی ورثہ یعنی مسجد اقصی کو قبضہ اور گرا دینا چاہتا ہے تاکہ 2000 سال دیرینہ خواہش کو پورا کرسکیں ۔ مگر یہ خواہش ہم پورا نہیں ہونے دینگے ۔ انشاءاللہ

(5) پانچواں نکتہ۔ مسلمانوں کو موجودہ مسجد اقصی کے علاوہ پورے احاطہ ہیکل کی تولیت اور تصرف کا حق جتانے اور یہودیوں کے حق کی کلیتا نفی کرنے کا دینی و تاریخی لحاظ سے نہ کوئی جواز ہے اور نہ ضرورت ۔ یہ نہایت اہم نکتہ ہے آب جناب مسجد اقصی پر تولیت اور تصرف کے حقدار یہود کو ٹھراتے ہے اور مسلمانوں کو دینی و تاریخی و اخلاقی لحاظ کا درس دیتے ہوئے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے اپنی موقف سے ہٹ جائیں بغیر کسی بحث جنگ و جدل کے مسجد اقصی کو اسرائیل کے حوالہ کیا جائے تاکہ ان کے لئے پورا فلسطین پر قبضہ جمانے کے لئے راہموار ہو جائیں۔ کیونکہ مسجد اقصی بیت المقدس سرزمین فلسطین کا دل ہے ۔ کسی کے دل لو کنٹرول کرنا پورے جسم کو کنٹرول کرنے کے مترادف ہے ۔ عمار خان ناصر صاحب یہودیوں کے لئے قاتونی راہ ہموار کرنے کے درپے ہیں ۔کہ پورا فلسطین قانونی طور پر اسرائیل کے حق میں آجائے۔

(6) چھٹہ نکتہ:۔ احاطہ ہیکل جو کہ آج کل الحرم شریف سے معروف ہے اسی احاطہ کے اندر کسی مقام پر سیدنا سلیمان علیہ السلام نے وہ شاندار عبادت گاہ تعمیر کی تھی ---- ہیکل کی اصل عمارت کی بنیادیں اس کی تعمیر کا نقشہ اور حدود اسرائیلی شریعت میں بالکل متعین تھیں۔ آنجناب کو معلوم ہونا چاہیے" کہ مسجدِ اقصٰی کو "حرم" سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تعبیر اسلامی شریعت میں ایک خاص مفہوم رکھتی ہے یعنی ایسی جگہ جہاں شکار کرنا اور درخت وغیرہ کاٹنا ممنوع ہو جیسا حرمِ مکی کا حکم ہے مگر چونکہ یہ احکامات بیت المقدس کے لئے نہیں ہیں اس لئے اسے " حرم" سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اس نام کے علاوہ کتاب و سنت میں اس کے جو نام آئے ہیں ان میں یہ تین 3 نام سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ مسجدِ اقصٰی بیت المقدس مسجدِ ایلیائ ۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ انہی ناموں سے اس مسجد کو یاد کیا جائے۔

(7) ساتواں نکتہ: احاطہ کے اندر کسی مقام پر سیدنا سلیمان علیہ السلام نے یہکل تعمیر کی تھی۔ یہودیوں کی طرح آنجناب بھی شکی ہے کہ 4000 سال گزرنے کے باوجود صحیح مقام کا پتہ نہیں ہیں۔ صرف اندازہ اور قیاس پر اکتفا کرتے ہیں جو کہ نا قابلِ قبول ہے۔

(8) : آٹھواں نکتہ: سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ہیکل کی تعمیر کی تھی۔ پوری اسلامی تاریخ میں کہیں پر بھی آپ کو نہیں مِلے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام یا کسی اور پیغمبر نے ہیکل وغیرہ کی تعمیر کی ہو۔ اس کے برعکس یہ ضرور ملے گا کہ پیغمبروں نے مساجدوں کی تعمیر اور تجدید کی ہے ۔ ہیکلوں کا قیام پیغمبروں کے شایانِ شان اور

کام نہیں ہے اُن کا کام ہے مساجد کی تعمیر و تجدید ۔ جیسا کی بیت اللہ شریف کی تعمیر و تجدید حضرت آدم و حضرت ابراہیم علیہم السلام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی ہے۔

(9) نواں نکتہ:۔ ہیکل کی تعمیر کا نقشہ اور حدود اسرئیلی شریعت میں متعین تھیں ۔ آنجناب اسرائیلی شریعت سے بہت زیادہ متاثر ہے ۔ اسلامی شریعت کے ہوتے ہوئے یہودی شریعت یا اسرائیلی شریعت کی کیا ضرورت ہے ہمیں۔ شریعتِ محمدی ﷺ کے بعد سابقہ سارے شریعتیں اور کتب منسوخ ہوچکے ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سابقہ کتب بائبل اور تالمود میں یہودیوں کی طرف سے اتنی تخریف ہوئی ہیں کہ بمشکل صحیح اور تخریف سے پاک نسخہء اصلی مل جاتا ہے۔ اس سارے حقیقت معلوم ہو جانے کے باوجود بائبل اور تالمود کو جابجا بطور دلیل پیش کرنا وہ بھی ایک ناجائز ریاست اور ہیکل کی قیام کے لئے اور ایک ایسے مغضوب سرکش مکار اور عیار قوم کیلئے جس کی عیاری پوری دنیا جان چکی ہے۔ جو ستر ہزار پیغمبروں کے قتل مین ملوث ہو چکے ہیں۔ حماقت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔

(10) دسواں نکتہ:۔ ہیکل کا نقشہ متعین تھیں ۔ آنجناب پہلے لکھتے ہیں کہ ہیکل کی اصل بنیادوں کی متعین طور پر نشاندہی تو زیر زمین کھدائی اور اثراتی تخقیق کے بغیر ممکن نہیں تاہم بائبل اور تالمود میں بیان کردہ تفصیلات کی روشنی میں یہودی علماء نے تخمینا اس کی تعین کی کوشش کی ہے۔ انجناب پہلے ہیکل کی حدود اور نقشہ میں یہود کی طرح شکی اور تذبذب کا شکار تھیں آب کہتے ہیں کہ متعین تھیں۔ یہ تضادات بھی ان کی بطل کیلئے کافی ہے۔ اس لئے تو میں حیران ہوں کہ جناب عمار خان ناصرصاحب کے کتاب کو میں براہین ناصریہ کہوں یا براہین احمدیہ جتنا تضادات مرزا غلام قادیانی کے کتاب میں ملتے ہیں اس سے زیادہ آنجناب کی کتاب میں بھی ملتے ہیں۔ تضادات یہ ایک الگ موضوع ہے اسی کو یہاں پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ بحث طویل نہ ہو جائیں ۔ ایک عقلمند انسان بالخصوص ایک مسلمان کیلئے یہ نکات بھی کافی ہے۔ جو میں نے اوپر ذکر کئے ہیں اسی کو بھی یہاں پرچھوڑ دیتے ہیں تاکہ بات طویل نہ ہوجائیں ۔ آب آتے ہے ان چند سوالوں کی طرف جو اہم اور ضروری ہے۔

سوال : جناب عمار خان ناصرصاحب کے نزدیک مسجدِ اقصٰی کی جگہ ہیکل سلیمان علیہ السلام نے تعیمر کی تھی؟

جواب: ہم اس پر پہلے بحث کر چکے ہیں کہ بائبل اور تالمود کو چھوڑ کر ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم قرآن و سنت کی روشنی میں اس پر بات کرینگے کہ مسجدِ اقصٰی کے معمارِ اول کون ہے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں مسجدِ اقصٰی کی تعمیر و تاریخ کا تعین کرنے میں حضرت ابوزر عفاری رضی اللہ کی درج ذیل روایات کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ حضرت ابوزر رضی اللہ سے روایت ہے۔

ساءلت رسول اللہ ﷺ عن اول مسجد وضع فی الارضِ قال المسجد الحرام ، قلت ثمہ ائ؟ قال المسجد الاقصٰی قلت کم بینھما قال اربعون عاما

ترجمہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی ؟ آُپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد حرام میں نے پھر سوال کیا: اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد اقصٰی : میں نے کہا: ان دونوں کی تعمیر کے دوران کُل کتنا وقفہ ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: چالیس سال اس روایت سے درج ذیل نتائج آخذ ہوتے ہیں۔

(1) اس زمین پر سب سے پہلے مسجد جو کہ اللہ کی عبادت کے لے تعمیر کی گئی ہے وہ جناب مسجد حرام یعنی بیت اللہ شریف ہے۔

(2) اس کے بعد دوسری مسجد جو اللہ کی عبادت کیلئےتعمیر کی گئی وہ مسجد اقصٰی ہے۔

(3) ان دونوں مساجد کی تعمیر کے درمیان 40 سال کا وقفہ یعنی عرصہ گزراہے۔

(4) قرآن و سنت میں کہیں پر بھی احاطہ ہیکل اس کا نقشہ اور حدود کا تعین وغیرہ کا تزکرہ نہیں ملتا ہے۔ اور نہ مسجد اقصٰی کیلئے لفظ ہیکل استعمال ہوا ہے۔ آب اتے ہے مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصٰی کی تعمیر کی طرف: علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ویؤید قول من قال: ان ادم ھوالذی اسس کل من المسجدین فذ کرا بن ہشام فی کتاب التیجان ان آدم لما بنی الکعبۃ امرہ اللہ بالسیر الی بیت المقدس و ان بینیہ بناہ و نسک ضیہ و بناء آدمہ للبیت مشہور و قد تقدمہ قریبا حدیث عبداللہ بن عمرو ان البیت رفع زمن الطوفان حتی بواہ اللہ لابراھیم (10)

اور ان لوگون کی قول کی تائید جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مسجد حرام اور مسجد اقصٰی دونوں کو تعمیر کیا اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ہشام نے کتاب التبجان میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اللہ تعالٰی نے ان کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی طرف جائیں اور اس کی بنیاد رکھیں تو انھوں نے جاکر اس کو تعمیر کیا۔ اور بیت اللہ شریف کی جو تعمیر حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی وہ معروف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث گزر چکی ہے کہ بیت اللہ کو طوفانِ نوح کے دوران اُٹھا لیا گیا تھا، بعد میں اللہ تعالی نے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ٹھکانا بنایا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی طرح مسجدِ اقصٰی کی بھی کئی بار تعمیر ہوئی ۔ طبرانی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہے۔ ان داؤد ابتدا ببناء البیت المقدس ثمہ اوحی اللہ الیہ انی الاقضی بناؤہ علی ید سلیمان

"حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کے لئے بنیادیں رکھیں ، پھر اللہ تعالٰی نے ان کی طرف وحی کی کہ مسجدِ اقصٰی کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں مکمل کرواؤں گا۔" اسی طرح نسائی کی ایک روایت ہے

" ان سلیمان بن داؤد کما بنی بیت المقدس سال اللہ عزوجل خلالا ثلاثہ (12)

" جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کرلی تو اللہ تعالٰی سے تین باتوں کی دُعا کی۔"

ان روایات میں مسجدِ اقصٰی کی پہلی تعمیر کے علاوہ جو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی، ایک دوسری تعمیر کا بھی ذکر ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے درمیان زمانی وقفہ ایک تاریخی روایت کے مطابق تین ہزار سال جبکہ دوسری روایت کے مطابق ڈیڑھ ہزار سال ہے۔ اب اس موضوع پر عمار خان ناصر صاحب کی رائے پڑھ لیجئے۔ "اس روایت پر اشکال یہ ہے کہ تاریخ کے مسلمات کے روسے مسجدِ اقصٰی کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اور ان کے اور سیدنا ابراہیم علیہم السلام کے مابین جو مسجد حرام کے معمار تھے، کئی صدیوں کا فاصلہ ہے جبکہ روایت میں دونوں مسجدوں کی تعمیر کے درمیان صرف چالیس سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے۔ ---- علمائے حدیث کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ مسجدِ اقصٰی کے مقام کی تعین تو حضرت یغقوب علیہ السلام نے فرمادی تھی اور مذکورہ روایت میں اسی کا ذکر ہے، جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے صدیوں بعد اسی جگہ پر ہیکل

سلیمانی کو تعمیر کیا۔ اس لحاظ سے ان کی حیثیت ہیکل کی اولین بانی اور مؤسس کی نہیں بلکہ تجدید کنندہ کی ہے۔" جناب عمار خان ناصر صاحب کا مطلب یہ ہے کہ مثال کے طور پر جس طرح بدن میں روح ہوتا ہے کہ نظر نہیں آتا، اسی طرح وہ اس بات پر بضد ہے کہ مسجدِ اقصٰی کے حدود میں احاطہ ہیکل ، اس کا نقشہ اور حدود اسی طرح پہناں ہے جس طرح جسم میں روح مگر اس دعوہ میں خود یہود اور آنجناب خود بھی مقام کی تعین میں تذبذب اور حیرانی کا شکار ہیں اور قیامت تک اسی طرح تذبب میں مبتلا رہینگے۔ انشاءاللہ

مسجدِ اقصٰی کے تو وہ قائل ہے مگر اس مسجد کے احاطے میں کسی نامعلوم مقام پر اندازے کے مطابق یہود کی طرح ہیکل کی بھی قائل ہے۔ ان کی تمام تر رائے یہود کی طرف مائل ہے جبکہ اُمتِ مسلمہ کا رائے اس کے برعکس ہے امت کا رائے صرف اور صرف مسجدِ اقصٰی کے بارے میں ہیں کہ یہ پورا احاطہ مسجدِ اقصٰی کا حصہ ہے ۔ اور اسی رائے پر روزِ اول سے آج تک تمام اُمتِ مسلمہ کا اتفاق و اتحاد ہیں ۔ میں اس بات کا بھی وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ لفظ تعین یہ جناب عمار خان ناصر صاحب کا خود ساختہ اصطلاح اور اختراع ہے یہ لفظ وہ جناب علامہ ابن قیم اور علامہ ابن کثیر کے رائے سے اخذ کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں علامہ ابن قیم کی رائے کے الفاظ یہ ہے۔ والذی اسسہ ھو یعقوب ابن اسحاق(14)

جبکہ علامہ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہے۔وان اول من جعلہ مسجدا اسرائیل علیہ السلام (15)

جبکہ اس مسئلے میں عمار خان ناصر صاحب کے الفاظ کچھ اسی طرح ہے۔ "علمائے حدیث کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ مسجدِ اقصٰی کے مقام کی تعین تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمادی تھی۔"

یہاں پر آنجناب کا تحریف معنوی دیکھ لیجئےکہ وہ کتنا تحریف کار ہے۔ جناب نے امام ابن قیم کے لفظ "اسس" اور امام ابن کثیر کے لفظ "جعل" کا خود ساختہ ترجمہ " تعین کرنا" کیا ہے جو کہ صریح دجل اور تحریف ہے۔

جناب عمار خان ناصر صاحب کا مقصد اسی سے یہ ہے کہ کسی طریقے سے بائبل اور تالمود کے منگھڑت اسرائیلی روایات کو تقویت اور اہمیت ملے۔ کہ نام نہاد ہیکل ایک حقیقت ہے اور اس کے معمار حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام ہے۔ اور اپنی اسی رائے پر وہ بضد ہے اور اپنی رائے پر دنیا کو قائل کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ اُمت مسلمہ کا رائے اس مسئلے میں یہ ہے کہ مسجد حرام اور مسجدِ اقصٰی دونوں کے بانی و موسس حضرت

آدم علیہ السلام ہے۔ ظاہری نحصوص سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مسجدِ حرام کی دوسری تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی ہے جبکہ مسجد اقصی کے دوسری تعمیر کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی اور مکمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہوئی ہے۔اس عہد کے دوران میں کسی اور تعمیر جو مسجد اقصٰی سے متعلق ہو صحیح نحصوص سے نہیں ملتا ہے۔

(2) دوسرا یہ کہ آنجاب مسجد اقصٰی پر تولیت کے حقدار یہود کو مانتے ہیں اور اس کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہے کہ یہ یہود کا سابقہ قبلہ رہا ہے۔عمار خان ناصر صاحب یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ،ومانانت بتابع قبلتهم، میں اس بات کا اثبات کیا ہے کہ وہ یہود کا قبلہ ہے جناب عمار خان صاحب سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پھر ، ماولهم عن قبلتهم التی کانوا علیها، میں کس کے لئے قبلے کا اثبات ہے؟

قرآن میں اللہ تعالٰی نے صرف یہود کی قبلہ کا اثبات نہیں کیا ہے بلکہ نصاریٰ کے قبلے کا بھی اثبات کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: وما بعضهم بتابع قبلة بعض، تو کیا اسی طرح تین قبلے بنتے ہیں یا نہیں جناب حقیقت یہ ہے کہ قبلہ ایک ہی ہے جو بیت اللہ شریف ہے باقی رہا قرآن مجید کا مسجد اقصٰی کو قبلہ کہنا یا اس کے مشرقی حصہ کو قبلہ کہنا تو یہ اللہ تعالٰی نے یہود و نصاریٰ کے اعتبار سے کہا ہے نہ کہ خود اپنی طرف سے ان کے لئے کسی الگ قبلے کو مقرر کرنے کا اثبات کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ لکم دینکم ولی دین اس آیت میں اللہ تعالٰی نے مشرکین مکہ کیلئے الگ دین کا اثبات تو کیا ہے لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے اس باطل دین کو ان کے لئے مقرر کیا ہے اور پسند بھی کیا ہے۔ تو قارئین جس طرح دین اللہ کے ہاں ایک ہے جو کہ اسلام ہے اسی طرح قبلہ بھی ایک ہے جو کہ بیت اللہ شریف ہے۔ مگر جناب عمار خان صاحب ہیکل سلیمانی کو یہود کا قبلہ قرار دینے پر بضد ہے اور اس کے لئے وہ ہر حد پار کر چکے ہے۔ حقیقت میں بیت المقدس کی حیثیت نہ تو حرم شریف کی ہے اور نہ ہی قرآنی نص سے یہ یہودیوں کا قبلہ رہا ہے بلکہ بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دینا یہویوں کی آحتراع ہے ۔ اب آپ کی ذہن میں ایک اشکال پیداَ ہوا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ بھی تو اسی قبلے کی طرف نماز پڑھ چکے ہے جو کہ بیت المقدس ہے۔ تو اصل واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں کی آزمائش کے لئے ان کو وقتی طور پر بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا جس کا تزکرہ بہت ساری رواریات میں ملتا ہے۔ اس حکم الہی کی روسے بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا ۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے بیت المقدس کی طرف

رخ کرکے نماز پڑھنے کا جو حکم آپ ﷺ پر نازل ہوا تھا، اس کی وجہ یہ نہیں تھا کہ پہلی مسلمان امتوں یا پیغمبروں کا قبلہ بیت المقدس تھا بلکہ اسی کی اصل وجہ مسلمانوں کی آزمائش تھی۔ جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے۔ ، وما جعلنا القبلہ التی کنت علیھا الالنعلم من متبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ (البقرہ 143) اس کے بعد اللہ تعالٰی نے اس عارضی قبلے کو منسوخ قرآر دے کر اصل قبلہ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم جاری فرمایا ۔ اسی طرح ارشاد باری تعالٰی ہے وما انت بتابع قبلتھم (لابقرہ 125) قرآن مجید کی یہ صریح نص اس بات کی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام کی بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کی وجہ یہودیوں کی اتباع نہیں تھی بلکہ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالٰی کی طرف سے یہ ایک حکم تھا۔ امام ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وانہ یتبع اھواھم فی جمیع احوالہ ولاکونہ متوجھا الی بیت المقدس لکونھا قبلۃ الیھود وانما ذلک عن امر اللہ ۔ آپ ﷺ کسی بھی معاملے میں یہودیوں کی اتباع نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح آپ علیہ السلام کا بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے، بلکہ اس وجہ سے تھا کہ یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے آپ علیہ السلام کو حکم تھا۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قبہ الصخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا اغاز کیا جبکہ عیسائیوں میں قسطنطین دی گریٹ (272ء سہ 337ء) وہ پہلا عیسائی بادشاہ گزرا ہے جس نے بیت المقدس کی مشرقی جانب نماز پڑھنے کی بدعت کا آغاز کیا۔ امام ابن قیم اپنی کتاب " بدائع الفوٰئد" میں ایک جگہ پر لکھتے ہیں "استقبال اھل الکتاب لقبلتھم لم یکن من جھۃ الوحی والتوفیق من اللہ بل کان عن مشورۃِ منھم واجتھاد اما قبلۃ الیھود فلیس فی التوراۃ الامر باءستقبال الصخرہ البتہ" اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا اپنے قبلوں کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا وحی کی روسے یا اللہ تعالٰی کی طرف سے نہیں تھا بلکہ اُنہوں نے اپنا قبلہ آپس کے مشورے اور اجتہاد سے مقرر کیا ---- جہاں تک یہود کے قبلے کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ تورات میں کہیں بھی صخرہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ مزید ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں "ولم یشرع اللہ مکانا یصلی الیہ الاکعبتہ والانبیاء الخلیل ومن قبلہ انما کانوا مصلون الٰی الکعبتہ و موسیٰ لمیکن یصلی الیٰ البیت المقدس بل قالو: انہ کان ینصب قبۃ العھد الیٰ العرب و یصلی الیھا فی التیہ۔ " اللہ تعالی نے کعبہ کے علاوہ کسی مقام کو بھی شریعت اسلامیہ میں نماز کے لئے جہت نہیں بنایا حضرت ابراھیم خلیل اللہ اور ان سے ماقبل تمام انبیا علیہ السلام بھی بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز نہیں پڑتھے تھے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خیمہ عہد کو عرب (یعنی بیت اللہ) کی طرف رُخ کر کے نصب کرتے تھے۔"

آئیےاس موضوع پر قرآن شریف کیا فرماتے ہیں ۔ الذین اتیناھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم(البقرہ : 149)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (یعنی اہل کتاب) وہ اس (یعنی بیت اللہ کے قبلہ ہونے) کو اس طرح پہنچاتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہنچاتے ہیں امام ابن جریر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:- " یعرف ھؤلاء الاحبار من الیھود والعلماء من النصاریٰ ان البیت الحرام قبلتھم و قبلۃ ابراھیم و قبلۃ الانبیاء قبلک کما یعرفون ابناءھم۔" " یہود و نصاریٰ کے علماء یہ جانتے ہیں کہ مسجد حرام ان کا قبلہ ہے اور یہی حضرت ابراھیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام سے پہلے تمام انبیاء علیھم السلام کا قبلہ تھا ، جیسا کہ وہ (یہود و نصاریٰ) اپنے بیٹوں کو پہنچاتے ہیں۔اسی طرح ارشاد باری تعالٰی ہے " وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلموں (البقرہ : 142) اور ان میں سے ایک گروہ حق بات (یعنی بیت اللہ ہی کے اصل قبلہ ہونے کو) جانتے بوجھتے چھپا رہا ہے۔"امام ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں وذلک الحق ھوالقبلۃ التی وجہ اللہ عزوجل الیھا نبیہ محمد ﷺ یقول قولِ وجھک شطر المسجد الحرام التی کانت الانبیاء من قبل محمد ﷺ یتوجھون الیھا فکتمھا الیھود والنصاریٰ فتوجہ بعضھم شرقا و نعضھم نحو بیت المقدس و رفضو اما امرھم اللہ بہ "الحق" سے مراد قبلہ ہے جس کی طرف رخ کرنے کا حکم اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کو دیا ہے ۔ اللہ تعالٰی اپنے نبی ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ مسجد حرام کی طرف اپنا رخ پھیر لیں جس کی طرف تمام انبیاء رخ کرتے تھے پس یہود و نصاریٰ نے اصل قبلہ (یعنی بیت اللہ) کو چھپا لیا اور کسی نے مشرق کی طرف رخ کیا اور کسی نے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے اپنا قبلہ بنایا اور انھوں نے اس کا انکار کیا جس کا اللہ تعالٰی نے ان کو حکم دیا تھا۔ " اسی طرح ارشاد باری تعالٰی ہے ۔ الحق من ربک فلا تکونن من الممترین (البقرہ 147) یہ (یعنی بیت اللہ کا قبلہ ہونا) حق ہے آپ کے رب کی طرف سے پس آپ (بیت اللہ کے ہی قبلہ ہونے میں) شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجائیں" امام ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں " ائ فلا تکونن من الشاکین فی ان القبلۃ التی و جھتک نحوھا قبلۃ ابراھیم خلیلی علیہ السلام و قبلۃ الانبیاء غیرہ

"اے نبی! آپ اس بارے میں بالکل بھی شک میں مبتلا نہ ہو کہ جس قبلہ کی طرف ہم نے آپ کا رخ کیا ہے، وہی حضرت ابراھیم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء کا قبلہ ہے" قارئین کرام بعض ایسی بہت سے روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہیں کہ بیت المقدس یہود کا قبلہ نہیں ہے بلکہ ان کا قبلہ بھی بیت اللہ ہی تھا۔ ہم نے بوجہ طوالت احتصار سے

کام لیا ہے تاکہ مضمون طویل نہ ہوجائیں۔ قرآنی نصوص احادیثِ صحیحہ اور اجماع امت سے یہ بات ثابت اور واضح ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اور ان کی اولاد بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا۔ خلاصہ کلام دراحتتام یہ ہے کہ بیت المقدس مسلماتوں کا بطور آزمائش تو عارضی طور پر قبلہ تو رہا ہے لیکن یہ یہود کا قبلہ کبھی بھی نہیں رہا ۔ جب یہ بات ثابت ہوا کہ بیت المقدس نہ تو یہود کی عبادت گاہ اور نہ ہی یہ ان کا قبلہ رہا ہے تو یہ دعویٰ بھی جھوٹ اور باطل ثابت ہوا کہ بیت المقدس پر یہودیوں کا حق ہے بلکہ حق بات یہ ہے کہ بیت المقدس بزبان قرآن " وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا " کے مطانق مسلمانوں کی عبادت گاہ تاریخی ورثہ اور عارضی طور پر سابقہ قبلہ ہے۔ اس لئے مسلمان ہی اس کی تولیت کے شرعی حقدار ہے۔ اس موضوع پر چند اقتباسات آپ کے سامنے پیش کردینا چاہتا ہوں جو امت مسلمہ کے اکارین نے اس موضوع پر تحریر کی ہیں ۔ جس کے دیکھنے سے اپ کا نظریاتی عقیدہ اور بھی پختہ ہو جائیگا۔آج کل جنگیں کئے رخ احتیار کرچکے ہیں ایک نفسیاتی یعنی اعصابی جنگ جبکہ دوسرا نظریاتی جنگ ، یہود دونوں قسم کی جنگیں لڑنا چاہتے ہیں ۔ اعصابی اور نفسیاتی جنگ کے ذریعے وہ مسلمانوں سے اُن کے املاک و زمینیں قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں وہ ایک حدتک کامیاب ہوچکے ہیں۔ اور نظریاتی جنگ کے ذریعے وہ مسلمانوں سے عقیدہ چھیناچاہتے ہیں جس کے لئے وہ تگ و دو میں ہے ۔ دُنیا میں تمام تر مراکزِ عبادات ، مزہبی رسومات، اور جنگیں، نظریات و اعتقادات کے بنیاد پر ہوتی ہیں۔ ایک قوم کے نظریات و اعتقادات جتنا مضبوط ہونگے وہ قوم اتناہی کامیاب اور مضبوط تصور کی جاتی ہے۔ اس لئے یہود مسلمانوں کو اعصابی جنگ کے ساتھ ساتھ نظریاتی طور پر بھی کمزور کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان دوبارہ مزاحمت اور اُٹھنے کے قابل نہ رہے۔ ان کے مقابلے میں ہمیں اعصاب کے ساتھ ساتھ نظریاتی طور پر بھی مضبوط ہونا چاہئے تب ہی ہم ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔" آب آتے ہیں مسئلہ تولیت کی طرف ، اکابر کی چند اقتباسات ۔ آپ کے سامنے پہش خدمت ہے۔

سید سلیمان ندوی اپنی کتاب " سیرۃ النبی ﷺ کی جلد سوم میں " قرآن مجید اور معراج " کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا ۔ یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی لئے معراج میں آپ علیہ السلام کو مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک لئے جایا گیا اور مسجدِ اقصیٰ میں تمام انبیاء کے صف میں آپ علیہ السلام کو

امامت پر مامور کیا گیا باکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلانِ عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکار محمدی ﷺ کو عطا ہوتی ہے اور نبی القبلتین نامزد ہوتے ہیں۔"

واہ کیا شاندار اقتباس ہے مولانا سلیمان ندوی نے کمال کا جملہ بیان فرمایا ہے۔ تحویلِ قبلہ کا واقعہ اس کی اہمیت و حکمت کچھ یوں ہے۔

(ا) مسجدِ اقصٰی پر اُمتِ مسلمہ کی تولیت کے مظاہر میں سے بڑا مظہر تحویلِ قبلہ کا واقعہ بھی ہے ۔ نبی کریم ﷺ کی جو صفات پچھلی کتابوں میں بیان ہوئی تھیں ان میں ایک صفت "نبی القبلتین" کا بھی ذکر تھا، چنانچہ اس پیشن گوئی کو پورا کرنے کےلئے اللہ تعالٰی نے سولہ یا سترہ مہینےامتِ مسلمہ کا قبلہ بیت المقدس کو بنایا۔

(2) دوسرا یہ کہ آپ علیہ السلام کو نبی القبلتین کا تاج پہنانا کہ دنیا کے دو مقدس گھر (بیت اللہ شریف اور بیت المقدس) جو پہلے انبیاء میں تقسیم ہوئے تھے، اب یہ آخری نبی ﷺ ان دونوں گھروں کے وارث اور والی ہیں۔ اور ظاھر ہے کہ یہ ایک ایسی حصوصیت ہے جو گذشتہ تمام انبیاء میں سے کسی کو نہیں ملی تھی۔ اور اس ضمن میں اس امت کی فضیلت اور اس کا خیرالامم ہونا بالکل واضح ہے کہ دو مقدس گھر اس امت کے لئے اللہ تعالٰی نے قبلہ بنائے اور انہیں ان دونوں کا ذمہ دار بنایا۔ چنانچہ اس سے پہلے یہ حصوصیت کسی امت کو نہیں ملی تھی۔

(3) تیسرا یہ کہ اس واقعے میں کمزور ایمان والے مسلمانوں اور منافقین کا امتحان لینا مقصد تھا کہ وہ پختہ ملسمانوں کی طرح اس حکم کی اتباع کرتے ہیں یا وہ اس پر گوناگوں اعتراضات و شبہات کرتے ہیں، کیونکہ یہ واقعہ اسلام میں نسخ کے ابتدائی واقعات میں سے ہے۔ "الالنعلم من یتبع الرسول " سے اس حکمت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قارئین کرام : ہم اسی پر اکتفیٰ کرتے ہیں تاکہ مضمون زیادہ طویل نہ ہوجائے۔ اس سارے حقائق معلوم ہو جانے کے بعد کہ حضرت ابراھیم، حضرت موسی اور حضرت سلیمان علیھم السلام اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کے اصل ورثا اور جانشین مسلمان ہے نہ کہ یہود و نصاری تو اسی بنیاد پر مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصٰی پر تولیت و تصرف کے حقدار بھی شرعی طور پر اور تکوینی طور پر صرف مسلمان تھے مسلمان ہے اور مسلمان ہی رہنگے ۔ یہی امت مسلمہ کا رائے اور روز اول سے موقف ہے۔ اور اس پر امت کا مکمل اتفاق و اتحاد ہے ۔ اور یہی ہمارا عقیدہ و نظریہ ہیں اور کسی کا باپ بھی ہمارا عقیدہ و نظریہ تبدیل نہیں کرسکتا ہے۔

مولانا محمد خان شیرانی ، مسئلہ فلسطین اور ہم

قارئین کرام : حال ہی میں مولانا شیرانی صاحب نے بھی مسئلہ فلسطین پر لب کشائی کی تھی کہ " فلسطین کا مسئلہ بین الاقوامی مسئلہ ہے لہذا اس کو اقوام متحدہ کے اصولوں کے مطابق حل کیا جائے۔ اور مذید یہ بھی کہا تھا کہ فلسطین کا مسئلہ مذہبی نہیں سیاسی مسئلہ ہے لہذا میں اس کے حق میں ہوں کہ " اسرائیل کو تسلیم کیا جائے" ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے کہا کہ " کیا فلسطین کی زمین اسرائیل پر نہیں بیجے گئے ہیں؟ یعنی اسرائیل کے ملکیت سرزمین فلسطین پر ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح مسجد اقصٰی پر یہودی تولیت کے حق میں ہیں کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہاں پر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی تھی یعنی یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں پر یہودیوں کی پرانی عبادت گاہ ہے اسی لئے یہودی اس پر تولیت کے حق رکھتے ہیں ۔ بفضل اللہ میں شیرانی صاحب کے ایک ایک سوال اور اعتراض کا جواب دیتا رہونگا اور مسئلہ فلسطین پر اُمت مسلمہ کا رائے پیش کرونگا۔

(۱)کیا سرزمین فلسطین اسرائیل پر بیجئے گئی ہیں؟

(2) کیا اسرائیل مسجد اقصٰی پر تولیت کے حقدار ہیں؟

(3) کیا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام نے ہیکل تعمیر کی تھی؟

(4) کیا مسئلہ فلسطین بین الاقوامی اور سیاسی مسئلہ ہیں؟

(5) کیا سرزمین فلسطین یہودیوں کا وطن اصلی ہے؟

قارئین کرام : ان سارے سوالات کے جوابات قرآن و حدیث اور تاریخی کُتب سے نفی میں ملے گا۔ یعنی نہیں ہیں میں ملے گا۔

سوال کیا سرزمین فلسطین اسرائیل پر بیجے گئی ہیں۔؟

جواب اسرائیل فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہیں۔ وہ تقریبا 13 سو برس قبل مسیح اس علاقے " فلسطین" میں وارد ہوئے۔یہاں کے قدیم فلسطینوں کو باہر نکال دیا گیا اور خود ان کی سرزمین پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے گزشتہ صدیوں میں یہود کئے بار فلسطین سے نکالے گئے ہیں ۔ یہودی رہنما ڈاکٹر تھیوڈو ہرٹزل نے سلطان عبدالحمید دوم کو مالی امداد کا لالچ دے کر " یہودی وطن" کے لئے ارضِ فلسطین کا ایک حصہ خرید نے کی درخواست کی جسے سلطان نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔(فلسطین اس وقت سلطنتِ عثمانیہ میں شامل تھا) اس پر یہودی انتقام پر اُترنے آئے۔ سلطنتِ عثمانیہ اور سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف ان کی سازشین رنگ لئے آئیں۔ ان کی پہلی کامیابی وہ تھی جب انجمن اتحادو ترقی کی وزارت کے ذریعے 1914ء میں ایک ایسا قانون پاس کرایا گیا، جس کے ذریعے یہودیوں کو فلسطین میں زمینیں اور جائدادیں خریدنے کی اجازت مل گئی۔

جنگ عظیم اول کے خاتمے پر برطانیہ نے عربوں سے کئے گئے تمام تر وعدوں سے انحراف کرتے ہوئے فلسطین پر قبضہ کرلیا۔ 1922ء میں جعلی مینڈیٹ کے ذریعے یہ خطہ یعنی فلسطین برطانیہ کے اقتدار میں دے دیا گیا۔ برطانوی اقتدار ایک یہودی حکومت ہی کی مترادف تھا کیونکہ انگریزوں نے اپنی طرف سے فلسطین میں اپنا جو پہلا ہائی کمشنر مقرر کیا (سربریٹ سموئیل) وہ بھی یہودی تھا۔ اسی زمانے میں زمینوں کا خریدو فروخت علاقائی ہائی کمشنر کے ہاتھوں ہوتا تھا اس سے اب اندازہ لگائیں کہ فلسطین میں خرید و فروخت زمینوں اور جائدادوں کی کس کے خواہش پر کرائی گئی ہیں فلسطینی تو اس خرید و فروخت پر راضی نہیں تھیں یہ تو خود قابض یہودیوں کی خواہش پر ہوئی۔ اب بعضوں کا یہ دلیل کہ فلسطینی املاک تو یہودیون پر فروخت ہوگئے ہیں اسلئے سرزمین فلسطین پر آب اسرائیل کو تسلیم کرلینا چاہئے مضخکہ خیز ہے۔

سوال کیا اسرائیل مسجدِ اقصٰی پر تولیت کے حقدار ہیں؟

جواب مسجدِ اقصٰی کے ساتھ مسلمانوں کا کس قدر جذباتی روحانی اور مذہبی تاریخی تعلق ہے؛ اس موضوع پر ایک مشہور عرب مورخ، عالم دکتور عیسیٰ القدومی کی تحریرات سے چند اقتباسات حسب ضرورت آپ کے سامنے پیش کرونگا جس نے خود عرب دنیا میں بے پناہ مقبولیت و شہرت حاصل کی اور بیت المقدس کی آزادی کی تحریک سے روشناس کرانے اور مسلمانوں میں موجود غفلت اور ناواقفیت ختم کرنے میں اس نے کافی اہم کردار اداء کیا تھا۔ پیش خدمت ہے

(1) مسجدِاقصیٰ ایک مکمل احاطے کا نام ہے۔چنانچہ عام طور سے تصویر میں جو ایک لمبی چوڑی چار دیواری دکھائی دیتی ہے ، قبۃ الصخرہ مصلی مروانی ، قبے ، پانی کی سبیلیں اور دیگر جو بھی تاریخی آثار اس چار دیواری میں موجود ہیں، حتٰی کہ اس پر آذان دینے کے چبوترے ، مینارے سب " مسجد اقصیٰ " میں شامل ہے۔ یہ پوری جگہ سوائے قبۃ الصخرہ اور جامع مسجد کے بغیر چھت کے ہے۔ چنانچہ علمائے کرام اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے اور اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو شخص اس پورے احاطے میں کہیں بھی نماز پڑھ لے تو وہ اس فضیلت کے مستحق بنتا ہے جو مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے بارے میں بیان کی گئی ہے ۔

(2) مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا سابقہ قبلہ ہے۔ اس کی تفصیل حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔ ہم نے رسول اللہﷺ کے ساتھ مل کر ، سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس ، مسجدِ اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں ، پھر ہمارا رخ قبلہ بیت اللہ کی طرف پھیر دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

(3) پوری تاریخ میں مسجدِ اقصیٰ ہمیشہ ایک اسلامی مسجد کے طور پر موجود رہی ہے اور مسلمانوں کی ملکیت میں رہی ہے حتٰی کہ یہود کے آنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ۔ فلسطین انبیائے کرام مثلا حضرت ابراھیم، حضرت یعقوب ، حضرت موسیٰ ، حضرت عیسیٰ ، حضرت ذکریا، حضرت یحیٰی اور دیگر انبیاء علیٰ نبیا و علیہم السلام کی زمین ہے اور یہ سب کے سب مسلمان تھے اور ہم ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

اور ملتِ ابراھیم سے تو وہی شخص اعراض کرتا ہے جو بے وقوف ہے اور بلاشبہ ہم نے تو انہیں دنیا میں چن لیا تھا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔ جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ تم فرمان بردار بن جاؤ تو انہوں نے کہا : میں رب العالمین کا فرمان بردار بنتا ہوں۔ اور اسی کی وصیت کی تھی ابراھیم نے اپنوں بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو بے شک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے دین چنا ہے، پس تم مسلمان ہونے کی حالت میں ہی مرنا (البقرہ 132)

(4) مسجدِ اقصیٰ کا ایک اہم حصہ وہ ہے جسے آج کل "دیوار گریہ" کا نام دیا جاتا ہے یاد رہے کہ یہ مسجدِ اقصیٰ کی جنوب مغرب جانب کی دیوار ہے اور یہ بھی اسلامی مملوکات میں سے ہے ۔ اسرائیلی جارحیت و غاصبیت سے پہلے کبھی بھی اس کے بارے میں یہودیوں کا کوئی دعوٰی سامنے نہیں آیا تھا۔ اور پھر جب اس زمانے کے یہودیوں نے

ایسا دعویٰ کھڑا کیا تو امتِ مسلمہ نے ان کے اس جھوٹے دعویٰ کو رد کیا حتیٰ کہ 1930ء میں اقوام متحدہ نے بھی یہ قیصلہ دیا کہ " یہ دیوار صرف اور صرف مسلمانوں کی ہی ملکیت ہے اور یہ مسجدِ اقصٰی کا ہی ایک حصہ ہے جسے اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا اور یہ اسلامی اوقاف کی ملکیت ہی ہے"

(5) مسجد اقصٰی : اسلامی تاریخ کے اکثر ادوار میں اسلامی حکومت کے ماتحت ہی رہی ہے۔ حتی کہ اس شہر میں موجود کنیسے ، اور دیگر یہودی و عیسائی ایک اسلامی ریاست کے ماتحت ذمی بن کر رہے اور اسلامی حکومت ہی ان کے جان و مال کی محافظ و ضامن رہی ہے اور یہ سب ایسے حقائق ہیں جس پر علمائے تاریخ کا سب اتفاق رکھتے ہیں۔

(6) مسجدِ اقصٰی پر جب سنہء: 1387ھ مطابق 1967ء میں یہودیوں نے قبضہ کر لیا تو انہوں نے سب سے پہلے دیوار براق پر قبضہ جمایا اور وہاں کا نقش و نگار تبدیل کردیا اور وہاں کے رہنے والے سب مسلمانوں کو وہاں سے بھگا دیا گیا۔

(7) مسجدِ اقصٰی کے بارے میں یہوریوں کا گمان یہ ہے کہ یہ مسجد ان کے مزعومہ عبادت گاہ ہیکل کی جگہ پر بنائی گئی ہے۔ اسی بنیاد پر اپنے حق کی واپسی کے لئے دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے اور اپنی مدد کے لئےپکارتے ہیں ۔ اس ناجائز مقصد کے لئے وہ نہ تو تاریخی حقائق کو جھٹلانے سے گریز کرتے ہیں اور نہ ہی تورات جیسی مقدس کتاب میں تحریف کرنے سے کتراتے ہیں۔

(8) مسجدِ اقصٰی یہودیوں کا عبادت خانہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ شروع ہی سے امتِ مسلمہ کی مسجد رہی ہے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اس مسجد کی جو تعمیر کرائی تھی، وہ یہود کی مزعومہ یہکل کی تعمیر نہیں تھی، بلکہ یہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی پہلے سے موجود مسجد کی تجدید اور تعمیرنو تھی۔ " کیونکہ یہ مسجدِ زمین پر بنے والے دوسری مسجد ہے۔ چنانچہ حضرت ابراھیم ، حضرت اسحاق ، حضرت یعقوب اور حضرت سلیمان علیہم السلام نے اس مسجد کی جو بھی تعمیر کی وہ در حقیقت نئی تعمیر نہیں تھی ۔ بلکہ تجدید تھی جس طرح کہ امتِ محمدیہ ﷺ نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کو فتح کرنے کے بعد اس کی تجدید اور تعمیر نو کی۔ قارئین کرام مزکورہ عبارت میں سوال نمبر (3)کیا حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے یہکل تعمیر کی تھی؟ کا جواب بھی حل ہو گیا۔

(9) مسجد اقصٰی اور مسئلہ فلسطین ، فقط اہل فلسطین کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک اسلامی مسئلہ اور اسلامی قضیہ ہے اور جب سے اس کی چابیاں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سپرد کی گئیں تب سے دنیا کے تمام مسلمانوں کا حق اس سے جڑا ہوا ہے ، اور یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے صلیبی یلغار کے وقت اپنے جان و مال کی قربانی دے کر اس کی حفاظت بھی کی اور اس کو آزاد بھی کرایا، چنانچہ ایک اسلامی اوقاف کا حصہ ہے اور مسلمانوں کے سپرد کی گئی امانت ہے۔

(10) مسجد اقصٰی مسلمانوں کی ہے۔ رومیوں اور صلیبوں کی یلغار اور مسجد اقصٰی کی بے حرمتیوں کے وقت یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے اس کے لئے اپنے جان و مال کو فدا کیا اگر یہ یہودیوں کا حق ہے تو پھر تاریخ کے ہر مشکل دور میں یہ یہودی کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔؟ اورکیوں کر ایسا ہوا کہ ہر مشکل وقت میں امت مسلمہ نے ہی اس مقدس مقام کی پہرےداری کی اور اس کے آداب و حرمات کو ملخوظ رکھا!

(11) مسجد اقصی اہل اسلام کی ہے، اس پر تاریخ بھی گواہ ہے اور زمینی و اسمانی حقائق بھی۔ یعنی قرآن اور حدیث یہ سرزمین اسلامی امانت ہے اور کسی بھی صورت یہ جائز نہیں ہے کہ یہ مقدس سرزمین اس بدبحت قوم کے حوالے کردی جائے جو انبیاء کرام علیهم السلام کی قاتل ہے ۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ عہد ہے کہ اس کا ایک چپے سے بھی دستبداری نہیں کی جائے گی اور نہ یہ کوئی ایسا عہد وپیمان قبول کیا جائے گا کہ یہودی اس مقدس سرزمین کے رئیس اور اہل اسلام کے سردار قرار پائیں!

(12) مسجد اقصی مسلمانوں کا دینی و مذہبی میراث ہے، اسلئے اس کی امامت بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے ، نبی کریم ﷺ کی ترغیبات بھی اس پر موجود ہیں اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے دلوں میں اس کی محبت پیوست کی اور انہیں بیت المقدس فتح ہونے کی بشارت بھی عنایت فرمائی۔ یہ سب کچھ اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ مسجد اقصی اور بیت المقدس کی محبت کے چراغ ہمیشہ اہل اسلام اور مومینین کے دلوں میں روشن رہیں گے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اور دشمن بھی مسلمانوں کے دلوں سے اس کی محبت ختم نہیں کرسکتے اور ان شاءاللہ ، قیامت تک یہ محبت باقی رہی گی کیوں کہ یہ سرزمین مسلمانوں کا ایک اہم ٹھکانہ اور طائفہ منصورہ کا مرکز ہے اور دنیا ماضی میں بھی اس کے مناظر دیکھ چکی ہے اور مستقبل میں بھی یہ حقیقت پوری ہو کر رہے گی اور دنیا اس کا مشاہدہ کرکے رہی گی۔ انشاءاللہ

سوال : کیا سرزمین فلسطین یہودیوں کا وطنی اصلی ہے؟

جواب : جدید ماہرین آثارِ قدیمہ اب اس بات پر عام طور پر اتفاق کرتے ہیں کہ یہاں کے قدیم ترین باشندے یعنی 300 قبل مسیح سے لے کر تقریبا 1700 قبل مسیح تک کنعانی اور مصری تھے، جن کا ذکر قدیم کُتب میں ملتا ہے۔ ان کے یکے بعد دیگرے دوسرے اقوام مثلا ہکسو، حطی اور فلسطینی آئے۔ اس کے بعد اسرئیلوں کو اسیرین، اہل بابل، مصریوں اور شامیوں نے روند ڈآلا۔ حتٰی کہ 144 قبل مسیح میں عبرانی مکعبیوں نے اپنا اقتدار جزوی طور پر بحال کیا ۔ بہر حال 83 قبل مسیح میں سلطنتِ رومانے یروشلم فتح کرلیا۔ اور یہودیوں کو دوسرے علاقوں میں منتشر کردیا۔ بقول امریکی " کنگ کرین کمیٹی" 1919ء کے اس دوہزار سال بیشتر قبضہ کو بنیاد بنا کر دعوٰی ملکیت کرنا سنجیدگی سے نہیں لیا جاسکتا ۔ تاریخی لحاظ سے یہودی فلسطین کے قدیم ترباشندے نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے وہاں اتنا عرصہ حکومت کی جتنی کہ کئی دوسری اقوام نے کیا۔

سوال: کیا مسئلہ فلسطین بین الاقوامی اور سیاسی مسئلہ ہے؟

جواب : 14 مئ 1948ء کو تل ابیب میں جو میٹنگ ہوئی جس میں اس قدرتی اور تاریخی حق کے طور پر اعلانِ آزادی کیا گیا تھا اس میں صرف 37 افراد شریک ہوئے تھے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ان کے اس اقدام کی بین الاقوامی عالمی قانون میں کوئی مستند حیثیت نہیں کیونکہ وہ اس وقت کی آبادی کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے تھے۔ درحقیقت ان میں سے صرف ایک فلسطین کا پیدائشی شہری تھا بقیہ 35 یورپی ممالک سے تھے اور ایک یمن کا باشندہ تھا۔ بقول ایک فلسطینی دانشور عیسٰی نخلح کے " یہودی اقلیت کو ایک ایسے علاقے میں اپنی آزاد ریاست کے قیام کا اعلان کرنے کا کوئی حق نہیں تھا جہاں فلسطین عرب قوم آباد تھی"

1917 ء میں اعلان بالفور کے وقت فلسطین میں کوئی چھ لاکھ عرب اور ساٹھ ہزار یہودی آباد تھے۔ آئندہ تیس برس میں یہ فرق گھٹتا گیا۔ بہر حال 1947ء میں جب اقوام متحدہ نے عندیہ دیا تو اس وقت بھی عربوں کی دوتہائی اکثریت تھی اور یہودی صرف ایک تہائی تھے۔ یعنی عربوں کی آبادی 1237332 جب کہ یہودی صرف 408225 تھے۔ صوانگ ول کے ایک دوست اور پرانے صہیونی میکس ناردو کو جب یہ علم ہوا کہ فلسطین میں 1897 ء میں بھی مقامی عرب آبادی موجود تھی تو اس کا کہنا تھا ہم بے انصافی کر رہے ہیں"۔

نہ صرف یہ کہ مقامی عرب آبادی موجود تھی بلکہ ان کا ایک تسلیم شدہ ڈھانچہ تھا جسے دوسرے تمام عرب امتیازی طور پر " فلسطینی " کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک دانشور جان کو ٹیگلے کے بقول " عرب آبادی صدیوں سے قائم چلی آرہی تھی۔ انیسویں صدی میں کوئی خاص اندرونی نقل مکانی نہ ہوئی تھی۔"

سوال: کیا مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق حل کر دینا چاہئے؟

جواب: یہودی کہتے تھے کہ " ہم اپنے حق ---- اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرار داد کی روسے ہم ، ارض فلسطین میں ایک یہودی حکومت کے قیام کا اعلان کرتے ہیں (یعنی ریاستِ اسرئیل) قارئین کرام: یہ صرف ٹرومین انتظامیہ کا زبردست دباؤ تھا جس نے 29 نومبر 1947ء کو اقوام متحدہ کی یہ تقسیم پلاننگ جنرل اسمبلی سے منظور کروائی اس کی حمایت میں 33 خلاف میں 13 ووٹ پڑے جبکہ ایک نمائندہ غیر حاضر تھا۔ اور دس نمائندوں نے ووٹ نہ دیا جو ممالک امریکی دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک گئے وہ تھے۔ فرانس ، حبشہ ، ہیٹی، لائے بیریا، لکسمبرگ، پیراگوئے اور فلپائن، سابقہ سیکرٹری آف اسٹیٹ سمرویلز کا کہنا تھا " مسلم دنیا کے علاوہ ان ممالک پر امریکی حکام کا زبردست دباؤ بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر ڈالا گیا جن کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ اس تقسیم پلان کے مخالف ہیں یا گو مگو کا رویہ رکھتے ہیں ۔ مختلف نمائندوں اور گماشتوں کے ذریعہ امریکا نے اس بات کو یقینی بنایا کہ مطلوبہ اکثریت حاصل ہو کر رہے۔ یہ تقسیم پلان یعنی قرآر داد نمبر 181 فلسطین کو " آزاد عرب اور یہود ریاستوں میں تقسہم کرتی ہے جبکہ یروشلم کو خصوصی شہرکی حیثیت حاصل ہوگی" اسرئیل کے مستقبل کے وزیرِ خارجہ موشے شارط کا بیان تھا کہ اس قرآرداد میں مستقل قوت "نفاذ" تھی۔ اسرئیل کے اعلان آزادی میں اس کا تین مرتبہ حوالہ دیا گیا ہے کہ یہ قیامِ اسرائیل کی جائز قاتونی بنیاد فراہم کرتی ہے لیکن سیکورٹی کونسل کے برخلاف جنرل اسمبلی کو سفارشات کرنے کے علاوہ کوئی بھی اختیار حاصل نہیں۔ یہ اپنی سفارشات کو نافذ نہیں کرسکتی اور نہ ہی انہیں کوئی قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ماسوا اقوام متحدہ کے داخلی معاملات کے۔" عجب نہیں جو فلسطینیوں نے اس تقسیم پلان کو مسترد کر دیا۔ انہیں اس کا حق تھا کیونکہ یہ منصونہ ایک تہائی آبادی کو ، جس کا فلسطین کے پندرھویں حصہ سے بھی کم یعنی صرف ساڑھے چھ فیصد علاقے پر قبضہ تھا، نصف سے زائد فلسطین عطا کررہا تھا۔ مزید برآں فلسطینیوں کا یہ کہنا تھا کہ اقوام متحدہ کو یہ حق

حاصل نہیں کہ یہ وہ فلسطین کی آبادی کی اکثریت کی مخالف کے باوجود یہ تقسیم پالان کو نامنظور کر کے فلسطینیوں سے اپنے آزاد ملک کے قیام کے حق سے دستبرداری قبول نہیں کی۔ ان کی مخالفت فلسطین پر ایک یہودی ریاست کے قیام پر تھی۔ (بشکریہ ڈیل" اسٹار "مشرق وسطی)

قارئین کرام: اس ساری حقیقت معلوم ہوجانے کے بعد کون ایسا بے وقوف شخص ہوگا جو سرزمین فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ کے چارٹر اور اصولوں کے مطابق حل کردینا چاہے گا۔ امریکہ اور برطانیہ کے ہوتے ہوئے جس کی مکاری اور بدمعاشی پوری دنیا پر عیاں ہے۔ اسی کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شحص یہ معاملہ اقوام متحدہ کے ہاں لے جاکر حل کرنے کی کوشش کریگا یہ فلسطینیوں کے ساتھ انصاف نہیں بلکہ ناانصافی ہوگی۔ کیونکہ اسرئیل اقوامِ متحدہ کے لاڈلے اولاد جیسا ہے اورہمیشہ اسی کے مفادات میں فیصلے دیتے ہیں۔ اور دئیے ہے۔

قارئین کرام : پوری امت مسلمہ بلکہ پوری دنیا یہ بات جان چکی ہیں کہ مسئلہ فلسطین خواہ سیاسی ہو مذہنی ہو تاریخی ہو یا جغرافیائی اعتبار سے ہو۔ سرزمین فلسطین مسلمانوں کا آئینی اور قانونی حق ہے۔ اسرئیل ارضِ فلسطین پر خواہ وہ مشرقی حصہ ہو یا مغربی حصہ میں ہو ناجائز قابض ہوچکے ہے۔ اسرئیلی ناجائز ریاست کو تسلیم کرنا مظلوم فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ غداری ہے۔ ہمارا موقف یہی ہے کہ اس پاک دھرتی پر حکمرانی کے اصل حقدار فلسطینی مسلمان ہے نہ کہ امریکہ اور برطانیہ کے ناجائز لے پالک اولاد اسرئیل ۔ وہ دانشور وہ صحافی وہ قلم نگار وہ سیاستدان وہ بیروکریٹس جو اسرئیل کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں اور ان کو تسلیم کرنے کے حق میں ان کیلئے راہ ہموار کر رہے ہیَ ان کو صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ امت مسلمہ یہ بات جان چکہ ہے کہ پورا ارض فلسطین ، مسجد اقصٰی ، قبۃ الصخرہ فلسطینی مسلمانوں کا وطن جاگیراور مذہبی تاریخی ورثہ ہیں اور اسی کی تقسیم پر کسی بھی کمپرومائز اور سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔ نام نہاد سکالروں کو یہ نعرہ سنانا چاہتا ہوں کہ اسرئیل کی ناجائز ریاست کو تسلیم کرنے کے حق میں آپ کی لکھی ہوئی جھوٹ پر مبنی تحریریں اور دجل و فریب سے کہی ہوئی تقریریں اب نہیں چلے گا۔ آپ کی دجل و فریب امتِ مسلمہ پر واضح ہوچکی ہے کہ آپ یہودی ناجائز ریاست کے پیداوار اور ایجنٹ ہو اور ان بےضمیر یہودیوں کے لئے کام کرتے ہو۔ اب امتِ مسلمہ کے نوجوانان آپ کی چالوں اور دھوکوں میں نہیں ائیگے۔ انشاءاللہ

بحثیتِ مسلمان اور پاکستانی ہونے کے ناطے ہم فلسطینی مسلمان بہنوں، بھائیوں کے ساتھ ہر میدان ہر محاذ پر کھڑے تھے کھڑے ہیں اور کھڑے رہنگے ۔ انشاءاللہ

ہم ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں ۔ہم ہرپلیٹ فارم پر اپنے مظلوم مسلمانوں کیلئے آواز اور قدم اٹھاتے رہنگے۔ ہم ان کی آزادی اور خود مختاری کیلئے اور ان کی دفاع میں اپنی تمام ترقوتیں اور تو ناٹیاں بروئے کار لائینگے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے لے کر جنوب تک ان کی جائز حقوق ماننے کیلئےتحریکیں چلاتے رہینگے۔ خواہ وہ فلسطین ہو شام ہو عراق ہو چیچنیا ،بوسنیا، لیبیا، برما ، افغانستان ، کشمیر کے نہتے اور مظلوم مسلمان کیوں نہ ہو ہم ان کو کافرو کے ظلم و ستم پر اکیلا نہیں چھوڑنگے ہم ان کی جان مال و عزت کی حفاظت کیلئے برسرِ پیکار رینگے۔ ہر طاعوتی لشکر سے ہر بدمعاش ملک سے جو ہمارے مظلوم اور نہتے مسلمان بہن، بھائیوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ گرانے چاہتےہیں۔ ہم ان سے ٹھکر لیتے رہنگے اور ان ظالم لشکروں کا ڈٹ کر مقابلے کرتے رہنیگے۔ انشاءاللہ

"مزاحمت زندگی ہے اور اسی میں ہماری فلاح ہے اور یہ امت مسلمہ کیلئے آزادی خود مختاری ، امن اور خوشی کی نوید ہے۔ اگر خدا نخواستہ ہم ظلم پر خاموش رہے اپنی جائز حقوق کیلئے لڑنا چھوڑدیں مظلوم کا ساتھ نہ دیں۔ ظلم کے خلاف آواز نہ اُٹھئیں۔ اگر ہم مظلوم مسلمانوں کا ہمدرد اور ہم نوانہ بن گئے تو پھر ذلت و رسوائی ہمارا مقدر ہوگا۔ ہم آنے والے نسلوں کے لئے باعث شرم ہونگے۔ تاریخ کے اوراق میں ہم ایک زندہ قوم کی بجائے ایک مردہ قوم کے طور پر یاد ہوتے رہنگے ۔ عزت کے ساتھ ہمارا نام لینے والا بھی کوئی نہیں رہیگا۔

باب نمبر 4

سرزمین فلسطین، گریٹر اسرائیل کے نا پاک عزائم فلسطین، اسرائیل حالیہ جنگی واقعات

قارئین کرام : پچھلے ابواب میں ہم نے فلسطین کی جعرافیائی اہمیت مسئلہ فلسطین اور ان سے منسلک مسئلہ تولیت مسجد اقصٰی پر تفصیلی بحث کی ہیں۔ اب ہم اس کے مذہبی و روحانی اہمیت و حیثیت پر مختصر بخث کرینگے اور ساتھ ساتھ موجودہ اسرائیل کے ناپاک جنگی مظالم اور عزائم پر بھی روشنی ڈالینگے۔ تو ائیئے ہمارا ساتھ رہیئے۔

(ا) سرزمین فلسطین کی مذہبی اہمیت و حیثیت اور فضیلت "زمانہ قدیم میں سرزمین فلسطین ملک شام کا ایک بہت اہم حصہ رہا ہے"۔ سوریا، لبنان اور اُردن بھی ملک شام کا حصہ رہے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ایک سوچھے سمجھے سازش کے تحت ملک شام کو ظالموں نے الگ الگ ملکوں اور حصوں میں

تقسیم کردیا۔ بیت المقدس، پورا غزہ بلکہ پورا فلسطین اور ناجائز ریاست اسرائیل یہ" ملک شام" کا دل ہے۔

اللہ تعالٰی نے ملک شام کو بہت برکت اور حصوصیت عطاء فرمائی ہے۔۔ محمد عربی ﷺ نے " ملک شام" کے لئے برکت کی دُعا فرمائی ہے۔۔۔ اورفرمایا ایمان والوں کا گھر"شام" ہے۔ اور ارشاد فرمایا۔۔ رحمن کے فرشتے شام پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ ۔۔ اور ارشاد فرمایا! تم شام کے لشکر کو لازم پکڑنا کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کی سرزمین میں ایک پسندیدہ خطہ ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے "شام" اور "اہل شام" کی حفاظت کی مجھے ضمانت دی ہے۔۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں شام میری زمینوں میں سے وہ منتحب زمین ہیں جہاں میں اپنے بہترین "عابدوں" کو داخل کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے۔ : ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون َ ترجمہ (اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے) ایک قول کے مطابق امت محمدیہ ﷺ ہی اس مقدس زمین کی وارث ہے۔

اس کے علاوہ سرزمین فلسطین کو قرآن مجید میں پانچ مواقع پر بابرکت زمین سے مخاطب کیا گیا ہے۔

(1) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک سفر کرایا جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھیں (سورہ الاسرا: ایت نمبر 1)

(2) اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو دور سے نظر آتی تھیں۔ (سور سبا ایت نمبر 18)

(3) جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا ہم نے انہیں اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس پر ہم نے برکتیں نازل کی تھیں۔ (سورہ الاعراف ایت نمبر 137)

(4) اور ہم نے تیزچلتی ہوئی ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کردیا تھا جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ (سورہ الانبیا ایت نمبر 81)

(5) اور ہم نے انھیں اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دنیا جہان کے لوگوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ سورہ الانبیاء 71)

سرزمین فلسطین پر گزشتہ اور آنیوالے واقعات کا مختصر تزکرہ

(1) فلسطین، انبیاء کرام علیھم السلام کی جائے سکونت رہا ہے۔

(2) فلسطین، حضرت ابراھیم علیہ السلام کی جائے ہجرت ہے۔

(3) حضرت موسٰی علیہ السلام نے اسی جگہ کو مقدس سرزمین کہا تھا اور اپنی قوم سے مطالبہ کیا تھا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ یا قوم ادخل الارض المقدسۃ التی (کہ وہ اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جائیں) اور اسے "مقدس" اس لئے کہا تھا کہ وہ شرک سے پاک تھی۔

(4) حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ یہیں (فلسطین میں) تھی۔

(5) حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کا حکومت یہی تھا ملک فلسطین سے آپ نے پوری دنیا پر حکومت کی

(6) حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹیوں سے گفتگو کا قصہ فلسطین میں واقع " وادی نمل" میں پیش آیا جو " عسقلان " کہ قریب واقع ہے۔

(7) قرآن کریم میں طالوت اور جالوت کا واقعہ مذکور ہے جو کہ سرزمین فلسطین میں پیش آیا ہے۔

(8) حضرت زکریا علیہ السلام کی عبادت گاہ فلسطین میں موجود ہے۔

(9) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پیدائش فلسطین میں ہے۔

(10) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر حضرت مریم علیہا السلام نے جس کھجور کے درخت کی ایک ٹہنی کو ہلایا، وہ اسی جگہ فلسطین میں تھی۔

(11) جب بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالٰی نے انہیں سرزمین فلسطین سے اپنی طرف اُٹھایا۔

بیت المقدس تاریخی واقعات اور اس کی اہمیت :۔

(1) بیت المقدس کا یہ نام قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جب قرآن کریم نازل ہوا تو اسے مسجدِ اقصٰی کا نام دیا اور اس کی امتیازی پاکیزگی کی وجہ سے اسے مقدس کہا جاتا ہے۔ یہی اس کی وجہ تسمیہ ہے۔

(2) مسجد اقصٰی، بیت المقدس کی اہمیت حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کی طرح ہے، اللہ تعالٰی نے مکہ مکرمہ و اقصٰی مقدسہ دونوں مقامات کا ایک ہی جگہ تذکرہ فرمایا ہے۔ والتین والزیتون و طور سینین و ھذا البلد الامین (قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور صحرائے سینا کے پہاڑ طور کی اور اس امن و امان والے شہر کی) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " تین" سے مراد شام کی سرزمین ہے "زیتون" سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے، اور "طور سینا" سے مراد مصر کا وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالٰی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی، اور " بلد الامین" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

(3)محمد عربی ﷺ نے یہیں انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی، کیونکہ بیت المقدس انبیاء کرام علیہم السلام کی جائے قیام ہے۔

(5) نماز کے فرض ہونے کے بعد ابتداء میں قبلہ، بیت المقدس کی طرف تھا، جب محمد عربی ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور حکم دیا کہ اپ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی طرف رخ پھیرلی اب یہی آپ کا قبلہ ہے۔ تو اسی لخاظ سے بیت المقدس کی ایک حصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا سابقہ قبلہ رہا ہے۔

(5) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے جزیرہ عرب میں مرتد ہونے والے لوگوں کے مقابلے کے لئے لشکر بھیجے تا کہ انہیں صحیح اسلام کی طرف لوٹائیں، اس موقع پر جزیرہ عرب میں امن و قرار لانے کے لئے انہیں ہر انسانی طاقت کی ضرورت تھی، لیکن ان مشکل حالات میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو نہیں روکا جس کو محمد عربی ﷺ نے شام جانے کا حکم دیا تھا۔

(6) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی طاقت کے زمانہ میں فلسطین کے علاوہ کسی ملک یا شہر کی فتح کے موقع پر مدینہ منورہ سے باہر نہیں نکلے البتہ فلسطین کے فتح کے موقع پر وہ خود تشریف لائے، اور صلح کر کے اسے فتح کیا، یہاں نماز پڑھی، چابیاں وصول کیں۔ اس وقت رومیوں کے ظلم و ستم سے عیسائیوں کو نجات دلائی۔

(7) فلسطین اور شام میں لگ بھگ پانچ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم شہید ہوئے ہیں، جو بیت المقدس کو فتح کر کے اسے رومیوں سے آزاد کرنا چاہتے تھے، یہ شہدا و انبیاء کرام علیہم السلام کی سرزمین ہے۔

(8) قیامت سے قبل حضرت عیسی علیہ السلام " شام" موجودہ فلسطین میں آسمان سے ایک سفید مینارے پر اتریں گے اور فلسطین میں : باب لدٌ" کے قریب دجال کو قتل کریں گے۔

قارئین کرام مذکورہ بالا واقعات سے آپ خود بخود یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرزمین فلسطین اور اس سے منسلک بیت المقدس، مسجد اقصٰی مسلمانوں کیلئے کیا اہمیت اور حیثیت رکھتے ہیں اور کتنے اہم مقامات میں سے ہیں۔

مسجد اقصٰی کی پکار اور یہودی سازشیں۔

(1) میں وہ مسجد اقصٰی ہوں جس کی سرزمین کو اللہ تعالٰی نے بابرکت قرار دیا ہے (سورہ الاسرا: 1)

(2) میں وہ مسجد اقصٰی ہوں جس کو دنیا کی افضل ترین قوم (مسلمانوں) نے اپنا قبلہ بنایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(3) میں وہ مسجد اقصٰی ہوں جہاں سے حضور پاک ﷺ کو معراج کرایا گیا تھا۔ (مسلم)

(4) میں وہ مسجد اقصٰی ہوں جہاں پر خاتم النبین ﷺ محمد عربی ﷺ کی اقتدا میں جملہ انبیائے کرام علیہم السلام نے نماز ادا فرمائی۔ (مسند احمد صحیح)

(5) میں وہ مسجد اقصٰی ہوں جس میں ایک نماز ادا کرنے سے دو سوپچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (حاکم، بیہقی صحیح)

(6) میں وہ مسجد اقصٰی ہوں جس میں دجال (یہودی) کا داخلہ ممنوع ہے۔ (احمد صحیح)

(7) میں وہ مسجد اقصٰی ہوں جسے دنیا کی دوسری مسجد ہونے کا شرف خاصل ہے۔(بخاری، مسلم)

(8) میں وہ مسجد اقصیٰ ہوں جس کا شمار ان تین مساجد میں ہوتا ہے جس کی طرف بغرض عبادت کوچ کرنا جائز ہے۔ (بخاری و مسلم

(9) میں وہ مسجد اقصیٰ ہوں کہ جو کوئی بھی اس میں نماز پڑھنے کے ارادہ سے ائے وہ (گناہوں سے دھلا ہوا) ایسے لوٹتا ہے گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔ (ابن ماجہ صحیح)

(10) میں وہ مسجد اقصیٰ ہوں جس کی سرزمین پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُتریں گے اور وہیں پر دجال کو بھی قتل کریں گے۔ ترمزی صحیح)

(11) میں وہ مسجد اقصیٰ ہوں جس کی سرزمین بروزِ قیامت ارض محشر ہوگی۔ (احمد ، ابوداؤد صحیح)

آج مجھے نسل پرست، ذلیل ترین، معضوب و ملعون قوم صہیونیوں نے اپنا یرغمال بنا رکھا ہے۔ آئے دن میرے تقدس و عزت کو پامال کیا جارہا ہے۔ میری آباد کاری کے راستے اور ترقی میں روڑے الٹکائے جاتے ہیں۔ بلکہ مجھے مسمار اور مہندم کرنے کی منظم پالیسی بنالی گئی ہے۔ میرے دامن میں میرے قرب و جوار میں ایک منظم سازش کے تحت سُرنگ کھودے جارہے ہیں تاکہ میں بے بس اور کمزور ہوکر دم توڑدوں اور میری جگہ نام نہاد ہیکل سلیمانی جس کا 1947 سے پہلے کوئی وجود و نام نہیں تھا۔ اس کو میری مقدس جگہ پر قائم کرکے شیطانی بت کو نصب کریا جائے۔ اے امتِ مسلمہ کے نوجوانو مجھے ان بدبحتوں کے ہاتھوں سے چڑالو۔ اے امتِ مسلمہ کے حکمرانو مجھے ان یہودیوں کی قبضہ سے آزاد کرلو۔ میں آپ کا ہوں میں مقدس انسانوں کا سرزمین ہوں ۔ میں آپ کا امانت عزت اور ہزاروں سال پرانی تاریخی ورثہ ہوں

سرزمین فلسطین پر محافظین قدس کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" میری امت کی ایک جماعت دمشق کے دروازوں اور اس کے اردگرد اور بیت المقدس اور اس کے اطراف میں ہمیشہ (دشمنوں) سے جنگ کرتی رہے گی۔ لوگوں کا انہیں بے یار و مدد گار چھوڑ دینا، انہیں تقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ حق پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی" (مجمع الزوائد: 16662 ، باب ماجاء فی فضل الشام ، قال الہیثمی رجالہ ثقات)

قارئین کرام : سرزمین فلسطین پر قدس کی تقدس کو بحال کرنے کے لئے آج وہاں پر ایک بار پر "جہاد"کی روشنی چمک رہی ہے۔ ایک اسلامی شرعی ، انقلابی جہاد کا اغاز ہوچکا ہے، صہیونیوں کے خلاف سرزمینِ فلسطین میں غزہ کے مقام پر "القدس مخافظین "حماس" کے جیالے میدان میں لڑنے کے لئے اُتر چکے ہیں۔ نہتے فلسطین مسلماتوں کو اس جنگ میں ہماری مدد و نصرت کی ضرورت ہے۔ فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنا اس مشکل گھڑی میں ہم سب مسلماتوں پر لازم اور ضروری ہے۔

ے بیت المقدس کی حفاظت کیلئے لڑتا ہوں

بس اس عظیم امانت کئ لئے مرتا ہوں!!

آج کے مجاہدین اور مخافظین قدس، مسجد اقصٰی کے چراغ کے مانند ہے۔ حضرت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا --- یا رسول اللہ ﷺ ہمیں "بیت المقدس " کے بارے میں ارشاد فرمائے -- آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا--- یہ حشر اور نشر کا مقام ہے(یعنی قیامت کے دن سب کو اس جگہ جمع کیا جائے گا) تم لوگ اس مسجد میں جاؤ اور اس میں نماز ادا کرو-- بے شک اس میں ایک نماز دوسرے مقامات کی نماز سے ایک ہزار گنا افضل ہے۔ حضرت ام المومینین نے عرض کیا اگر میں وہاں تک نہ جاسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم اس مسجد کے چراغوں کے لئے تیل بھیج دینا۔ پس جویہ بھی کرلے گا تو وہ اس میں حاضر ہونے والوں جیسا ہوجائے گا (ابوداؤد شریف ، احمد)

قارئین کرام: موجودہ جہاد "حماس" کی طرف سے جسے "طوفان الاقصٰی" کا نام دیا گیا ہے ، سرزمین فلسطین اور مسجد اقصٰی کی آزادی کیلئے لڑی جاتی ہے کفار نے اس جہاد کو "صہیونی جنگ" قرار دیا ہے۔ اب ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس پراپگنڈہ کو ناکام بنائے۔ ہر طبقہ فکر مسلمان خواہ وہ صحافی ہو تجزیہ نگار ہو مجاہد ہو باطل کے خلاف میدان میں آنا چاہئے اور اپنی تمام تر توانائیاں، قوتیں فلسطینی مسلمانوں کےلئے استعمال کریں۔ اور اس عظیم شرعی دفاعی اقدامی جہاد میں کسی طرح بھی حصہ لینا چاہئے۔ اس دورِ جدید میں " مسجد اقصٰی" کے مجاہدین محافظین، غازیان،شہدا اور حصوصا حماس کے جیالے اس کے حقیقی روشن چراغ ہے اے مسلم نوجوانو آگے بڑھو اور اسرائیل کی بربادی اور جلانے کیلئے ان چراغوں کو مضبوط اور سپورٹ کرو اور ان کی روشنیاں اور تیز کردو ہمت اور جذبے کے ساتھ مالی اور جانی تعاون کے ذریعے

محافظین اور مجاہدین قدس کی حمایت و نصرت کریں۔ یہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور تقاضہ بھی ہے ۔ اور ایک دینی ،مذہبی فریضہ بھی ہے۔

اے مسلمان نوجوان، میں تمہیں یاد دلاتا ہوں ۔ اُٹھو

ے اسلاف کے وارث ہوتم دہراؤ پھر تاریخ کو

پھر قافلے ترتیب دو پھر تھام لو شمیر کو

مسئلہ فلسطین پر علمائے عرب و ہند کی دور اندیشی جو آج سچ ثابت ہوچکی ہے۔

(۱) خلافتِ عثمانیہ کے روشن اور تابناک دور میں یہودیوں کو فلسطین میں زمین خریدنے ، کاروبار کرنے اور رہائش اختیار کرنے کا قانونی حق حاصل نہیں تھا، البتہ وہ ویزہ لے کر فلسطین آسکتے تھے اور مقدس مقامات کی زیارت کر سکتے تھے۔

(2) خلافتِ کے خاتمے کے بعد جب برطانیہ کا فلسطین پر قبضہ ہوا تو یہودیوں کو آنے جانے اور زمین خریدنے کی کھلی اجازت دیدی گئی، یہ وہ خطرناک وقت تھا جب یہودیوں نےدنیا بھر سے دولت اکٹھی کرکے دُگنی چوگنی قیمتوں پر فلسطین کا ایک بڑا حصہ خرید لیا۔

(3) اس وقت علمائے عرب میں سے بعض حضرات اس بات پر متفق تھے کہ خرید و فروحت کی ضروری شرائط پوری کرتے ہوئے اگر فلسطین کی زمین یہودیوں کو بیچی جائے تو شرعا کوئی قباحت نہیں۔ لیکن قربان جائے چند علمائے عرب اور مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور مولانا مفتی اشرف علی تھانویؒ جیسے دور اندیش علمائے ہند پر کہ جنہوں نے یہ فتوی دیا کہ یہودیوں کو فلسطین کی زمین بیجنا درست نہیں۔ ان حضرات کو ایمانی فراست کے ذریعے اُسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ یہودی زمنیں خریدنے کے بعد خطے کے اصل مالکان یعنی فلسطینی مسلمانوں کے بے دخل کردیں گے اور ان پر عرصہ حیات تنگ کردیا جائے گا۔ "مگر چند یہودی اینجٹوں کے ہاتھوں جب فلسطین کے زمینیں اسرائیل پر سستے داموں بیجے گئی تو آج اس کا خمیازہ اصل

مالکان یعنی فلسطینی بھگت رہے ہیں وہ انہیں یہودی اور اسرائیلیوں کے ہاتھوں اپنی ہی ملک میں دربدر زندگی گزار رہے ہیں۔"

"ایک وقت ایسا بھی تھا ایک دور ایسا بھی تھا کہ یہودی ناجائز اسرائیل فلسطینیوں کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھیں مگر بدقسمتی سے کچھ ہماری بزدلی اور کچھ ہمارے حکمرانوں کی عیاشی اور منافقت کی وجہ سے ان یہودی خنزیروں نے سرزمین فلسطین کو نہتے فلسطین مسلمانوں کی خون سے رنگین کیا ہوا ہے، مگر ہمارے حکمران ٹھس سے مس نہ ہوئے کسی نے ان یہودی ظالموں کا گریوان تک نہ پکڑا۔ کہ آخر یہ ظلم کیوں کر رہے ہو۔۔ آج اگر مسلمانوں کا کچھ رعب و دبدبہ باقی ہے تو وہ ان مجاہدین اور شہزادوں کی بدولت ہے جو باطل کے خلاف میدان کارِزار میں مصروف عمل ہے آب اگر ہماری مساجد اور مدارس مخفوظ ہے تو انہیں شہزادوں کی برکت سے ہیں۔ اگر یہ چند شہزادے نہ ہوتھے تو امت مسلمہ کا پتہ نہیں کیا حال ہوتا کب تک زیرِ زمین دفن ہوچکے ہوتے ۔ ہمیں ان شہزادوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ " جنہوں نے صہیونی طاغوتی لشکروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، عالمِ کفر کا ہر شیطانی منصوبہ ناکام بنا دیا ہے۔ ورنہ ہمارا نام و نشان تک دنیا سے مٹ جاتا ۔

قارئین کرامَ حالیہ فلسطین اسرائیل تنازع سنگین صورتحال اختیار کرچکا ہے۔ اسرائیلی درندوں کی ہاتھوں ہزاروں فلسطینی مسلمان شہید ہوچکے ہیں جن میں ترزیادہ سویلین آبادی کے لوگ ہے غزہ کے نہتے فلسطینی بے یارو مدد گار تنہا رہ چکے ہیں۔ فلسطینی خواتین، بچے، بچیاں اور بوڑھے جوان سب ان حنزیروں کے نشانے پر ہے بالفاظ دیگر یہ وحشی درندے فلسطینیوں کے نسل کشی پر تلے ہوئے ہے۔ جو کہ سب کو معلوم ہے کہ یہ غیر قاتونی فعل ہے اور جنگی اصولوں کے بالکل خلاف ہے تقریبا صرف غزہ میں اب تک 13500تیرہ ہزار سے زائید فلسطینی جامِ شہادت نوش کرچکے ہیں جبکہ 25956 زخمی ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک رکا نہیں ہیں"موجودہ جنگ اہل فلسطین اور اسرائیل دونوں کے لئے کئی اہمیت رکھتے ہیں اور اس جنگ کو جیتنے کیلئے دونوں فریق "حماس" اور ان کے مدِ مقابل بے غیرت صیہونی اسرائیلی افواج سرتوڑ کوشیشیں کررہے ہیں" ایک قلم نگار موجودہ جنگ کی منظر کشی کچھ یوں قلم بند کرتے ہیں کہ گزشتہ رات 28 /10/2023 اہل غزہ پر کافی بھاری گزری ہے۔ مگر انہوں نے اسرئیل کا زمینی حملہ پسپاکر کے حساب برابر کر دیا ہے۔ اب تک کی شدید ترین بمباری اور مواصلاتی نظام کو تہنس نس کرنے کے بعد اسرائیلی فورسز ٹینکوں سمیت غزہ میں داخل ہوئیں ہے۔ جہاں حماس شہزادوں کے جانبازوں نے ان کا شایانِ شان

"استقبال" کیا ۔ بہت سے ٹینک تباہ ہوئے۔ کچھ فوجی قیدی بنالئ گئے۔ اچھا خاصا جانی و مالی نقصان اُٹھانے کے بعد سانپ واپس اپنے بل کی طرف لوٹنے پر مجبور ہوا۔ اسرائیل نے اس حملے کو ٹآرگٹ "ریڈّ" اور حماس کی "دفاعی"صلاحیت کو جانچنے کی کوشش کی ہے۔ بہر کیف یہ ایک ناکام ترین مہم جوئی تھی۔ صہیونی فورسز پھر سے زیادہ بڑا اور منظم حملہ کریں گی، مگر کب؟ یہ معلوم نہیں۔

اہلِ غزہ کےلئے یہ جنگ مارو یا مرجاؤ کا درجہ رکھتی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ اسرائیل کے مستقبل کے لئے بھی نہایت اہم ثابت ہونے والی ہے۔ اسرائیلی وزیرِ دفاع کے بقول اسرائیل کے وجود کے اگلے 5 سال اس جاری جنگ کے نتائج پر منخصر ہوں گے۔ اگر مزاحمت کار غزہ بچانے میں کامیاب ہوگئے تو یہ حالیہ تاریخ کا ناقابل یقین کارنامہ ہوگا، کیونکہ نیتن یا ہو نے حماس کو مٹانے کا بیان جاری کرکے اپنا ہدف واضح کردیا ہے۔ کہ وہ غزہ پر قبضہ کریں گے ۔ اب اگر وہ یہ ہدف حاصل نہیں کرپاتے تو یقینا دنیا اسے اسرائیل کی ہزیمت قرار دے گی" خدا نخواستہ اگر غزہ پر قبضہ ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ فلسطین کا باب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ۔ اللہ ایسانہ کریں۔

الحمد اللہ حماس کی طرف سے لاجواب مزاحمت جاری ہے ۔ اہل غزہ کی زبانوں پر ایک ہی جملہ ہے۔ اگر جئیں گے تو اپنی سرزمین پر مریں گے تو بھی اپنی دھرتی پر۔ گہری رات کا سیاہ تاریک اندھیرا ہے۔ ناتواں چراغ اپنی لرزتی لوکی آنچ سے شبِ دیجور کا سینہ چھلنی کررہا ہے۔ ان چراغوں کو جلتے رہنا چاہئے، کیونکہ یہ تیل کی بجائے فلسطینوں کے لہو مبارک سے روشنی پارہا ہے۔ اے تھر تھراتی لو والے روشن چراغ مالک تجھے ہمیشہ کیلئے فروزاں رکھے

قارئین کرام:ان حالات میں جو بھی مظلوم اور نہتے فلسطینی مسلمانوں کی مدد کررہا ہے چاہے وہ مد د جس درجے میں بھی ہو اور چاہے جس کی طرف سے بھی ہو ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کیونکہ ان مظلومین کو اس وقت ہر طرح کی مدد کی ضرورت ہے اگر کوئی ایک فیصد بھی اس کام میں حصہ لے رہا ہے تو اللہ تعالٰی بہترین اجردے گا۔ انشاءاللہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اگر کوئی زیادہ کام کرسکتا ہو وہ توڑے پر قناعت کرکے آرام سے بیٹھ جائے بلکہ جو فی الحال کیا جاسکتا ہے وہ فوری طور پر کیا جائے اور زیادہ کام کرنے کےلئے کوشش جاری رکھی جائے، تنقید برائے تنقید سے مظلومین کا نقصان ہی ہوگا۔ اسرائیل پر حماس کی طرف سے ناگہانی حملہ بڑی کامیابی ہے۔ اس حملے سے اسرائیل کی ٹیکنالوجی بری طرح فیل ہوئی۔ آئرن ڈوم جس پر اسرائیل کو بڑا ناز تھا وہ حماس کے تیار کردہ الیاسین میزائیل کے سامنے مکمل

ناکام ہوا ۔ اسی ناکامی پر پورا اسرائیل، امریکہ، برطانیہ، فرانس جتنے بھی یہودی ممالک ہے یا اُن کے زیرِ تسلط ہے شدید دباؤ اور غصے میں ہے۔ وہ دفاعی سسٹم جس پر اسرائیل نے امریکہ و برطانیہ کے تعاون سے ہزاروں بیلین ڈالرز خرچ کرچکے تھے۔ حماس کے شہزادوں نے راکٹوں سے انہیں ایک ہی رات مین نیست و نابود کردیا۔ اسرائیل کی انٹیلیجنس ادارہ موساد کو اس حملہ کا پتہ تک نہیں لگا۔ آئرن ڈوم کی طرح اُن کا انٹیلی جنس ادارہ بھی بُری طرح نا کام رہا ۔ یہود اس نا کامی پر جتنا بھی ماتم اور واویلا کریں کم ہے۔

کئے اسلامی ممالک اسرائیل کو تسلیم کرنے کے موڈ میں تھیں۔ اس حملے کے بعد وہ بھی پیچھے ہٹ گئے اسی طرح اسرائیل کو تسلیم کرنے کی صہیونی سازشیں ایک بار پھر نا کام ہوئی اور یہ منصوبہ کئے سالوں تک دور چلا گیا۔ یقینا یہ لمحہ اسرائیل کے لئے بڑی دِقت آمیز ہے۔ اس حملے کے بعد یہود، اسرئیل سے پے درپے بھاگ رہے ہے اور وہ بھی بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ جب وہ فلسطین میں دوبارہ آنے کی کوشش کریگا ہزار بار سوچھے گا کیونکہ وہ بذ دل قوم بری طرح ڈرچکے ہیں ۔ طوفان الاقصٰی ان کے لئے ڈروانا خواب بن چکا ہے۔ فلسطینی مسلمانوں کو ایک شدید دباؤ میں مبتلا کرکے انہیں یہاں سے نکالنے کا منصوبہ بھی ناکام رہا۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہمارا جینا اور مرنا اپنی ہی وطن فلسطین میں ہی ہوگا اور کسی بھی حال میں ہم غزہ سے نہیں جائینگے۔ غزہ ہمارا ہے اور ہم غزہ کے ہے۔ اسرائیل کا یہ خواب بھی چکنا چور ہوگیا۔ گذشتہ شب القسام بریگیڈ کے ترجمان ابوعبیدہ نے ویڈیو پیغام جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ " ہم دشمن کو کہنا چاہتے ہیں ۔ جو ہر روز ہمیں بڑی حملوں کی دھمکی دیتا ہے۔ آئیے اپنی طاقت آزمائیں ہم آپ کے انتظار میں ہے تاکہ ہم تمہیں اک نئی قسم کے موت کا مزہ چکائے۔ ہم تمہیں یہودیوں کو اور ساری دنیا کو دلیری اور سر فروشی کا معنی سمجھائے۔ ہم اپنی دشمن صہیونیوں کو اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے طاقت، مدد و نصرت سے اسکے گمان و وہم سے بھی زیادہ حطرناک شکست سے دوچار کرینگے۔ صہیونیوں کی ناقابل تسخیر فوج اور حساس انٹیلی جنس کے جھوٹ کو ہم نے شکست دی ہے اور ہم نے اس کو غزہ کی پٹی اور پورے فلسطین میں دُنیا کو دیکھایا ہے۔صہیونیوں کی شکست کا وقت آن پخچا ہے۔ صہیونی اپنی تورات کو رجوع کریں اور اسے اچھی طرح پڑھیں تمہاری ذلت رسوائی اور شکست ہماری ہاتھوں مقدر اور لکھی ہوئی ہے ۔ آؤ ہمیں آزماؤں

قارئین کرام : اس مشکل گھڑی میں ہم اہل فلسطین کیلئے کیا کر سکتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک مجاہد کا دردمندانہ کاوش آپ کو پیش کرتے ہے۔ جو کہ اس وقت یہ اعمال بہت

ضروری ہے اور اس سے ہم فلسطینی مسلمانوں کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہے مگر ہمت شرط ہے۔ تو آیئیں اس کو پڑھیں اور آج ہی سے اس پر عمل شروع کریں۔ "مسئلہ فلسطین فقط اہل فلسطین کا مسئلہ نہیں ہیں بلکہ یہ پوری اُمتِ مسلمہ کا اجتماعی مسئلہ ہے اسلئے ہر مسلمان اپنی طاقت کے مطابق اپنی منظم جدوجہد جاری رکھیں۔

(ا) جو مال لگا سکتا ہے مال لگا دے جو جان لگا سکتا ہے جان لگا دے ۔ جو وقت لگا سکتا ہے وقت لگا دے جو با احتیار طبقے کو فکر مند کرسکتا ہے فکرمند کردے۔ جو اظہار یکجہتی کیلئے نکل سکتا ہے وہ نکلے ۔جو ظلم کے خلاف بات کرسکتا ہے بات کرے۔ جو لکھ سکتا ہے وہ لکھے۔ جو میڈیا یا سوشل میڈیا استعمال کرسکتا ہے استعمال کرے۔ جو کچھ بھی نہیں کر سکتا کم ازکم دعا کے لئے تو ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ اپنے مظلوم فلسطینی بھائیوں بہنوں کیلئے گڑ گڑا کر دُعائیں کیجئے۔" میں اس پر کچھ مزید اضافہ کر دینا چاہتوں ہوں۔ ہمیں ہر روز بڑے بڑے شہروں، پریس کلبوں کے سامنے مزمتی احتجاج کرنا چاہئے مساجد اور مدارس میں ان کیلئے اجتماعی دُعائیں کریں اس کے ساتھ ساتھ ، ہر ضلع، ہر تحصیل، ہر ویلج کونسل ،یونین کونسل کی سطح پر اُن کیلئے چندہ مہم شروع کریں ان شاءاللہ ہماری یہ جدوجہد ضرور ایک نہ ایک دن رنگ لے ائی گی۔ کیونکہ خرکت میں برکت ہے۔

قارئین کرام : اس کے علاوہ ایک دوسرا طریقہ ہے جو کہ ہمارے لئے نہایت آسان ہے اس کے ذریعے ہم اسرائیل اور اُن کے سہولت کاروں کو بہت نقصان پہنچا سکتے ہے اور اپنی فلسطینی مسلمانوں کی مدد کرسکتے ہیں، جنگ بندی میں ایک اہم کردار ادا کرسکتے ہیں اور وہ ہے بائیکاٹ کا مہم۔ اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے برادرانِ مسلم : اگر ہم فلسطین جاکر جہاد نہیں کرسکتے تو کم ازکم اسرائیل کی مصنوعات کا بائیکاٹ تو کرسکتے ہیں۔ فلسطین کے مظلوم اور نہتے مسلمانوں پر چلنے والی گولیاں اور راکٹے ہماری پیسوں سے خریدی جاتی ہیں۔ اور پھر ہماری مسلمان بھائیوں بہنوں بچوں پر استعمال کئے جاتے ہیں اس جرم میں ہم بھی برابر کے شریک ہے۔ ذیل میں چند اسرائیلی مصنوعات کا زکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ ہم خود بھی اس کے خریدنے اور استعمال کرنے سے اجتناب کریں اور دوسروں کو بھی اس سے باخبر اور منع کریں۔ اس کام کو ایک دینی مذہبی فریضہ اور ضرورت سمجھیں

اسرائیلی مصنوعات

(I) کوکاکولا، پیپسی ، سپرائٹ ، کے مشروبات فینٹا، نیسلی Nestle کے تمام پراڈکٹس لیفٹن چائے Nido کے تمام پراڈکٹس ڈالڈا ائل luoreo کمپنی کے تمام بسکٹ ، ملک پیک ، اسی طرح شیل ، ٹوٹل موبی ائل کی بجائے، pso کا استعمال ہمیں کرنا چاہئے۔ pso اپنی ہے ملک کی موبی ائل ہے k / mis مصالحے، پاپڑ , Raphan uniliver، کسٹڈ یہودیوں کا بڑا پروڈکس

Fruita, Tang, جوس walls , omonw آئس کریم johanson بے بی پروڈکٹ sensodyn colgate ٹوتھ پیسٹ Dove , lux , palmdlive صابن areal, surfexcel vim, msx ڈش واش gillette بلیڈ dove , paintene, sunslik , head and sholder , leurs شیمپو loreal spencers , marks, شوز always , پیڈ fair lovely , veet کریم ریمونگ کریم mc donalds ,kfc ہوٹلز وغیرہ وغیرہ

قارئین کرام ان یہودی پروڈکٹس کے مقابلے میں ہمارے ملک کے بنائے ہوئے اعلٰی کوالٹی کے پروڈکٹس موجود ہے ہمیں ان کو خریدنا اور استعمال میں لانا چاہئے۔

پاکستانی مصنوعات

صوفی ، کسان ، میزان گھی، وائٹل اسلام آباد چائے، -------------------

بسکٹ buttler, bisconi, cafe, Mayfair,coco mo, rio, super, nan hatai, peak, جام شیرین ، روح افزا ، لیموں, گورم کولا، مکہ کولا،امرت کولا مشروبات پروڈکٹس، treet بلیڈ care, nisa, tibat , صابن sufi گائے سوپ sufi , safon, ڈش واش khadi , service , sylo, گل احمد شوز abc, miswak, ٹوتھ پیسٹ وغیرہ۔
اسرائیلی مصنوعات کے ساتھ ساتھ ہمیں قادیانی مصنوعات کا بھی بائیکاٹ کرنا چاہئے کیونکہ قادیانیت یہودیت کا چرچہ ہے۔

قادیانی مصنوعات

مطب حمید دواخانہ، شیزان ، جوس اور مصالحے ، ذائقہ گھی دل پسند بسکٹ وغیرہ ، عائشہ بوتیک وغیرہ۔ اسرائیلی اور قادیانی مصنوعات کا مکمل تفصیل آپ گوگل پر سرچ کرکے دیکھ سکتے ہیں۔

بائیکاٹ مہم کی طاقت اور ثمرات

حال ہی میں میکڈونلڈ اسرائیل برانچ نے صہیونی افواج کےلئے مفت کھانے کا اعلان کیا۔ اس کے خلاف مسلم دنیا میں میکڈونلڈ بائیکاٹ کی مہم چلی اس مضبوط سوشل میڈیا کے نتائج درج ذیل ہیں۔

(1) سعودیہ، اردن، مصر ، کویت، ترکی، لبنان دیگر میکڈونلڈ برانچز نے وضاحتی بیانات جاری کئے اور اسرائیلی برانچ سے لاتعلقی کا اعلان کیا اور اپنے مقامی ہونے پر زور دیا۔

(2) میکڈونلڈ ترکی نے غزہ کے محصور عوام کے لئے ایک میلین ڈالر اور میکڈونلڈ کویت نے ڈھائی لاکھ ڈالر کی امداد کا اعلان کیا۔ اسی طرح میکڈونلڈ اردن نے بھی غزہ کے لئے امداد کا اعلان کیا۔

(3) اسٹاک مارکیٹ میں میکڈونلڈ کے شیئرز کی قدر نسبتا گرگئی۔

قارئین کرام: یہ ہے سوشل میڈیا بائیکاٹ مہم کے مثبت نتائج یہ ان لوگوں کے لئے جو کہتے ہیں کہ بائیکاٹ سے فرق نہیں پڑتا۔ بائیکاٹ مہم موجودہ دور میں ایک موثر اور کار امد ہمتیار ہے۔ جو عام عوام بھی اپنے دشمن کے خلاف استعمال کرسکتے ہے اور اپنا احتجاج بھی ریکارڈ کرواسکتے ہیں۔ اس بائیکاٹ کا ایک ثمرہ یہ بھی ہوگا کہ اسرائیل روز بروز کمزور ہوتا رہا گا اور ساتھ ساتھ قادیانی بھی کمزور ہوتا رہے گا۔ اور اس کے برعکس امت مسلمہ کا معاشی حالت بہتر ہوتا رہا گا۔

(3) قارئین کرام: اس بائیکاٹ کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم قادیانی اسرائیلی مصنوعات کے ساتھ ساتھ ان کے سپورٹروں اور سہولت کاروں سے دلی نفرت کریں اور عوامی حلقوں میں ان لوگوں کو آشکارا کریں۔ اور انہیں کے ساتھ کسی بھی طرح تعلق، نرمی اور برتاؤ نہ رکھا جائیں۔ یہ بھی بائیکاٹ کا ایک موثر حصہ ہے۔ آج ہی سے ان لوگوں کے خلاف گھر گھر، گاؤں گاؤن ، شہر شہر ڈائرکٹ ان ڈئرکٹ سوشل میڈیا کے ذریعے نفرت اگیز آگاہی مہم شروع کیجیئے۔ آج ہی سے سوشل میڈیا پر ان لوگوں کو آن فالو کریں ان کو لائک اور کمنٹ نہ دیجیئے۔ اس کا ثمرہ بھی آپ جلد دیکھ لینگئےتاکہ سادہ لوح عوام ان کے دجل اور فریب سے محفوظ ہوسکے"

ہم یہودی ایجنٹوں کی پہچان اور فلسطین کاز کی حمایت کیسے کرینگے

تو ائیں ایک مسلم تجزیہ نگار نے یہ حل بھی ڈھونڈ نکالا ہے۔ ایک صاحب اس کے بارے می یوں رقم طراز ہے۔

"ہم عرصہ دراز سے سنتے آرہے ہیں کہ ہمارے ملکوں میں یہودیوں نے نظام کو قابو کیا ہوا ہے ان کا بہت سی چیزوں پر بڑا کنٹرول ہے لیکن قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ وہ خود یہاں آکر اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ انہوں نے اس کام کے لئے ہمارے ملکوں میں سے ہماری قوموں، علاقوں اور محلوں سے ہماری شکلوں کے لوگوں کو برین واشنگ کے ذریعے اور پیسے ، مفادات کا لالچ دے کرا پنے لئے بھرتی کر لیا ہے۔

جس میں کسی نے پینٹ شرٹ پہنی ہے تو کسی نے ٹائی لگا رکھی ہےکسی نے سرپر ٹوپی پہنے بیٹھا ہے تو کسی نے شلوار ٹخنوں سے اونچی کر رکھی ہے۔ کوئی القابات لگا کر اس معاشرے میں معتبر شخصیت بن کر گھوم پھر رہا ہے۔ اس لئے ان کی شکلیں دیکھ کر ان کی شناحت ممکن نہیں ہو سکتی۔ مگر ان سب کی پہچان ان کے کام دیکھ کر با آسانی ممکن ہے۔ اور وہ کام ہے ہمارے لوگوں میں یہود کے اقدامات سے متعلق نرم گوشہ پیدا کرنا ان کے مظالم پر ہونے والے اعتراضات کے رد میں جوابات تر اشنا ۔ اس طرح یہودیوں کے دیگر ناجائز مفادات کا مختلف طریقوں سے تحفظ کرنا۔ اس وقت فلسطین پر اسرائیلی بمباری کے وقت بھی یہ لوگ بھر پور طریقے سے سرگرم ہیں اس لئے ان کی پہچان ممکن ہے۔ ان میں سے کوئی آپ کو فلسطین پر یہود کی حق میں دلیلیں دیتا نظر آئے گا تو کوئی فلسطینیوں اور ان کی مزاحمتی تحریک کو ہی فلسطین پر ہونے والے حملوں اور مظالم کا مجرم و زمہ دار بتاتا نظر آئے گا۔ کوئی فلسطینیوں کو فلسطین سے نکل کر دوسرے ممالک میں پناہ گزین ہو جانے کے مشورے بتاتا نظر آئے گا ۔ کوئی فلسطینیوں کے لباس کو اور ان کے طرز معاشرت کو مغرب اور یہود کے طرز پر بتاتا نظر آئے گا۔ کوئی ان کے مزاحمتی تحریک کو صہیونی ایجنٹ تو کوئی رافضی ایجنٹ کہتا نظر آئے گا۔

یعنی تمام باتوں کا مقصد عام مسلمانوں کو بد ظن کر کے فلسطینیوں کی حمایت سے روکنا اور فلسطین پر یہودی قبضے اور حملوں کو جائز قرار دیئے کی کوشش کریگا۔

یہں لوگ آج ہمارے درمیان یہودیوں کے ایجنٹ اور لارنس آف عریبیہ ہیں۔ ان کا رد بھر پور طریقے سے فلسطین کاز کی حمایت کرکے کریں فلسطین کی اسلامی تاریخ ، فلسطین پر یہودیوں کا ناجائز قبضہ، ان کا ظلم و ستم، مسلمانوں کو فلسطین سے نکالنے کی کوششیں ، فلسطینیوں کی جائز مزاحمت، اس سب پر معلومات اکٹھی کر کے بڑے پیمانے پر پھیلائیں تاکہ عوام میں فلسطین کاز سے متعلق آگاہی پیدا ہو۔ اور وہ یہودی ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کر سکیں۔

جس کی جو صلاحیت اور ہمت ہے اور اس کے حالات جس حد تک اسے اجازت دیتے ہیں وہ بھرپور طریقے سے اپنی اپنی جگہ پر فلسطین کاز کی حمایت اور اس مین تعاون کے لئے جدوجہد کرے۔

تاکہ ہمارے ملکوں میں یہودی مفادات کی حفاظت کرنے والوں کے ایجنڈے کو ناکام بنایا جاسکے۔ اور مسجد اقصٰی و فسلطین کی آزادی جلد آز جلد ممکن ہوسکے۔

قارئین کرام: یہ آگاہی مہم بڑی ضروری ہے اس پر گذشتہ ابواب میں ہم نے تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ آگاہی ایٹم بم ، مہم ، یہودیوں اور اس کے سہولت کاروں پر بڑی حدتک خطرناک اثر مرتب کرے گی۔ بلا خوف و خطر ان بیغرتوں ، بزدلوں کا جینا حرام کردیں تاکہ آنیوالے وقت میں اُمتِ مسلمہ اور بالخصوص فلسطین کے مظلوم مسلمان ان کے سازشوں اور شر و فساد سے محفوظ ہوسکے۔

اہل فلسطین کے ایمان آفروز واقعات

قارئین کرام: حالیہ فلسطین اوراسرائیل جنگ میں فلسطینی مسلمانوں نے وہ تاریخ رقم کی ہے جو صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی دور میں رقم کی تھی۔

فلسطینیوں نے جرات، بہادری اور استقامت کے ایسے ایسے کارنامے سرانجام دئیں کہ انیوالے دنیا کی تاریخ میں وہ سنہرے الفاظ سے لکھے جائینگے۔

مثال کے طور پر ہم چند واقعات آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں جسے پڑھ کر مسلمانوں کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔ 7 اکتوبر حماس کے شاندار حملے کے بعد ایک فلسطینی بچہ جمال ریان الفسطینی اپنی ٹویٹ اکاونٹ سے افعانیوں کو ایک پیغام جاری کرتے ہوئے پیارے انداز میں کہتے ہیں۔ اے افغانوں یہ تحریک ہم نے آپ سے لی ، آج کا دن فخر ، بہادری، قربانی اور کامیابی کا دن ہے۔ ہم نے آپ سے سیکھا، اور آپ کی برکت سے آپ

نے قوم کو قربانی کا راستہ دکھایا، ہمیں آپ پر فخر ہے اور آپ کو اس دن کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

@jamal.n90

طوطان۔ الاقصیٰ #

12:19 date 08 oct 2013

میرا پیغام جمال ریان الفسطینی کے نام۔

بیٹا! ہم افغانی آپ کے خلوص کا خیر مقدم کرتے ہیں اور آپ کی آزادی کیلئے دُعا گو ہے۔ آپ کا خون ہمارہ خون ہے اور اپ کا درد ہمارا درد ہے ۔ ہم اپ کی ازادی کے لئے مزمت بھی کرتے رہینگے اور مزاحمت بھی کرتے رہینگے ان شاءاللہ ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم آفغانوں نے آپ فلسطینیوں سے مزاحمت کی یہ نرالا انداز سیکھا ہے۔ 75 سالوں سے آپ نے جس بہادری اور شجاعت سے صہونیوں کا جو شاندار مقابلہ کیا ہے ہمیں اس پہ ناز ہے۔ آپ فلسطینی ہماری دِلوں میں ہمیشہ کیلئے بستے ہو۔ ہمیں آپ سے پیار ہیں واللہ ہمیں آپ سے پیار ہیں۔.we love you our beleved Palestinian - آپ ہی بیت المقدس کے نگہبان ہے آپ ہی بیت المقدس کے روشان چراع ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان چراغوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روشن اور سلامت رکھیں۔

والسلام

سیَد انور علی شاہ

07:05 pm

31:oct:2023

Tuseday ;;; Pakistan

فلسطینی ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے

(۱) "سلام ہے ان لاکھوں فلسطینی ماؤں ، بہنوں بیٹیوں پر جو اوسان خطا کردینے والی اچانک اور شدید بمباریوں کے دوران گودوں میں چیختے چلاتے اور معزور بچے اُٹھائے ہوئے افرا تفری میں جانیں بچانے کے لئے بھاگ رہی ہوتی ہیں، کسی کے پاؤں میں

جوتے نہیں ہے تو کوئی گھروں میں موجود لاکھوں روپے مالیت کا محبوب ترین قیمتی سامان چھوڑ کر نکل رہی ہوتی ہے۔ لیکن ایسی افرا تفری اور قیامت خیز بمباری میں بھی یہ لاکھوں فلسطینی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں اپنے سروں کو چادروں سے ڈھانپنا اور جسموں کو عبایوں سے ڈھکنا نہیں بھولتیں۔ جن کے اپنے تباہ شدہ گھروں کے ملبے سے سینکڑوں لاشیں بھی نکلتی ہیں تو ان کے سروں پر سکارف اور جسم عبایوں سے ڈھکے ہوتے ہیَں"

"میں قربان ہو جاؤں ان غیرت مند اسلام پسند ماؤں بہنوں پر جو ایسے سنگین قیامت خیز بمباری کے دوران بھی اسلامی اقدار کو پامال نہیں کررہے"

(2) فلسطین کے حالیہ واقعات کے دوران غزہ میں رہنے والا ایک بچہ کہتا ہے کہ ہمارے گھروں پر اسرائیلی بم اور میزائل گرنے کے بعد میری ماں نے پوچھا! "کیا اس جنگ کو روکنے کے لئے کسی نے کوشش نہیں کی؟

کیا کسی حکمران نے ہمارے حق میں بات نہیں کی؟

کیا وہ نہیں دیکتھے کہ یہاں ظلم اور قتل عام ہورہا ہے؟

اس بچے کا جواب سنیئے : میں نے کہا! پلیز ماں! ایسی باتیں مت کریں۔

ہم کسی سے کچھ نہیں چاہتے!

واللہ! اگر جبرائیل علیہ السلام بھی ہمارے پاس آئے اور پوچھے کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ ہم وہی جواب دیں گے،جو ابراھیم علیہ السلام نے دیا تھا۔ جب وہ آگ میں تھے۔ کہ ہم آپ سے کچھ نہیں چاہتے، جو ہم چاہتے وہ ہم صرف اللہ تعالٰی سے چاہتے ہیں۔"

(3) ایک فلسطینی بہن شہادت پانے سے پہلے دُنیا کو ایک درد بھری پیغام دینا چاہتی ہے۔ "جب ہم مرجائیں تب تو یقین کرلینا کہ ہم ثابت قدم اور حق پر تھے۔" صبا ابو ندا سوشل میڈیا پر اپنا یہ آخری پیغام لکھنے والی فلسطین کی ممتاز ناول نگار شاعرہ اور مفکرہ 32 سالہ" حبا ابو ندا" آب اسرائیلی بمباری میں شہید ہو گئی ہیں۔

حبا ابو ندا کا ناول

Dead don’t need oxygen.

"مردوں کو آکسیجن کی ضرورت نہیں ہوتی"

بہت مقبول ہوا تھا۔

(4) اسرائیلی فوج نے وسطی غزہ میں ایک بڑی عمارت کو بمباری کا نشانہ بنایا جس میں الجزیرہ کے سینئر ترین صحافی وائل حمدان ابراھیم الدحدوح کی فیملی سیمت الدحدوح کی اہلیہ ام حمزہ ، بیٹا محمد اور 8 سالہ بیٹی "شام " شہید ہوگئے ہیں۔

اس کے علاوہ اس بمباری میں الدحدوح قبیلہ اور عواد قبیلہ کے 100 سے زیادہ افراد نشانہ بنے ہیں۔ دونوں قبائل کے متعدد افراد اس بمباری میں شہید ہوگئے ہیں۔

"وائل کی فیملی اور قبیلہ کے افراد تل الحوا (شمالی غزہ) سے نصیرات مہاجر کیمپ میں منتقل ہوئے تھے۔ جو ان علاقوں میں سے ہے جہاں اسرائیلی فوج نے عوام کو منتقل ہو جانے کا کہا تھا۔ جنازے کے دوران پر وائل نے اپنے بیٹے کی لاش کو گلے لگاتے ہوئے کہا کہ

" کیا اب وہ ہمارا (دشمن کا) بدلہ ہمارے بچوں سے لیں گے" وائل نے مزید کہا کہ

" یہ تباھی واقعی بہت بڑا سانحہ ہے، کیونکہ اس میں خاص طور پر بچوں اور عورتوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، مگر ہم ہی اس زمین کے اصل وارث ہیں یہ ہمارے ہی مقدر میں ہے یہ ہمارا انتخاب بھی ہے، اور یہ ہمارے صبر کا امتحان بھی ہے، اور ہم اس راستے سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

(5) اس بمباری میں ایک فلسطینی بہن کے شوہر مصطفی ، اسرائیلی حملے میں شہید ہوئے ذرا پڑھ لیجئے تو کیا کہہ رہی ہے۔

" مجھے بس مصطفی سے یہی گلہ ہے تم نے شہادت پانے میں جلدی کی اور مجھے ہرا دیا۔ لیکن اللہ تعالٰی کی قسم میں تمہارے چاروں بیٹوں کو جہاد کے لئے تیار کرونگی اور سارے بچے اللہ تعالٰی کی راہ میں قربان،مسجد اقصٰی پر قربان ۔ جب تک ہمارا رب اللہ ﷻ ہم سے راضی نہ ہو جائے۔

(6) اس بمباری میں ایک 7 سالہ بچی بڑی طرح زخمی ہو جاتی ہے وہ میڈیا والوں کو کیا پیغام دیتی ہے وہ کہتی ہے کہ " میں خوفزدہ نہیں ہوں کیونکہ یہ ہم پر اللہ تعالٰی کا امتحان ہے وہ جانتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔"

(7) ایک ڈاکٹر نے اسرئیلی بمباری کے شکار 9 سالہ فلسطینی بچے کی زخمی ٹانگ کا علاج کرتا تھا جو کہ بُری طرح متاثر ہوچکا تھا۔ لیکن درد کم کرنے کا انجکشن نہیں تھا۔

بچے نے ڈاکٹر سے کہا آپ علاج شروع کریں میں قرآن پڑھتا ہوں مجھے درد محسوس نہیں ہوگا۔ تاریخ میں یہ مثال تو ہم نے سیَد نا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پڑھی تھی، جب آپ کے جسم مبارک سے تیر نکالا گیا تھا اور اپ صلاۃ یعنی نماز کے لئے کھڑے تھے۔

(8) غزہ کے ہسپتالوں کی ابتر صورتحال کے پیش نظر، خود بھی زخمی ہونے کے باوجود ایک 8 سالہ فسلطینی بچہ اپنی شدید زخمی ماں کو لگی ہوئی ڈرپ پکڑ کر کھڑا ہوا ہے اسی طرح غزہ کے ہسپتال میں پناہ گزین بچے ایسی خوفناک بمباریوں کے باوجود ہنس کھیل رہے ہیں اور کھیل میں بھی شہید شہید بول رہے ہیں۔ ایسی قوم کو دنیا کی کوئی بھی طاقت شکست نہیں دے سکتے۔ ان شاءاللہ

(9) حماس کے رہنما شہید نزار ریان سے غزہ پر ایک اسرائیلی حملے کے دوران پوچھا گیا۔

"حماس نے اس جنگ کے لئے کیا تیاری کی ہے"

کیا خوبصورت جواب دیتا ہے۔

" اللہ جلاجلالہ اور اُسکے رسول ﷺ کی تیاری کی ہے۔ ہمارے لئے یہی اعزاز کافی ہے کہ ہم اللہ کے سپاہی اور اُسکے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی سپاہی ہیں"

(10) اسرائیلی افواج نے الاقصٰی شہدا ہسپتال کے ڈاکٹروں کو دھمکی دی کہ اپ یہاں سے جائیں ۔ تو انھوں نے کیا جواب دیا "سوف نبقٰی ھھنا" ہم یہیں رہیں گے" الاقصٰی شہدا ہسپتال کے ڈاکٹروں نے صہیونیوں کے خلاف ثابت قدمی کا پیغام دیا۔ اسی طرح العودہ ہسپتال کو بار بار دھمکیاں دی جارہی تھیں کہ ہسپتال کو خالی کیا جائے ورنہ بمباری کا نشانہ بنادیا جائے گا۔ میدان کارزار میں جس ایمان کی آبیاری ہوتی ہے۔ باہر بیٹھ کر اس کی کیفیات کو سمجھنا شاید ممکن ہی نہیں۔ یہ مسیحا انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ہی یقینی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوف نبقی ھناکی یزول الالم۔ (جب تک دکھ درد دور نہیں ہوتے ہم یہیں رہیں گے۔ گنگناتے ہوئے حتیٰ الامکان زخمیوں کے علاج معالجے میں مصروف رہین ۔ اور زخمیوں کا علاج کرتے کرتے خود بھی اسرائیلی بمباری کا شکار ہو کر جام شہادت نوش فرمانے لگے۔

اسلام کے ان فرزندوں کا ایمان تو فرشتوں کے لئے بھی قابل رشک ہوگا۔

(١١) ایک اسرائیلی کمانڈر القسام بریگیڈ کے شہید ہونیوالے مجاہد کی جیب سے وصیت نکالتا ہے اور اپنے فوجیوں کو دکھاتا ہے ۔ مجاہد کی وصیت کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ

" اے خالد و زبیر رضی اللہ عنھم کے روحانی بیٹو! اللہ جلاجلالہ نے تمہیں جہاد جیسے عظیم شرف سے نوازا ہے لہذا اپنے آپ کو خوب تیار کرو اور دعاؤں میں اپنے رب سے مخلص ہو جاؤ۔ دُشمن کے خلاف اپنے اسلحے کی نمائش کرو اور خوب اسلحہ خریدو۔ اور قرآن کی آیت ان اللہ اشتری من المومنین کہ مومن تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے جان و مال کے بدلے جنت کو خرید لیا ہے (التوبہ)

تمہارا نبی جہاد کرنے والا نبی تھا۔ حیبر کے رب کے نام سے اپنی تلوار کو تیز کردو۔"

قارئیں کرام: اسی طرح سیکٹروں اور واقعات بھی ہیں جو فلسطینی مسلمانوں کے جوانمردی اور بہادری کے لازوال ثبوت دیتے ہیں۔ میں تو کہتا ہو کہ " فلسطینی مسلمانوں کے ایمان اور حوصلے پہاڑوں سے زیادہ مظبوط سمندروں سے زیادہ وسیع اور آسمانوں سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔

اسرائیل تو کیا پوری دنیا بھی ان کو شکست نہیں دے سکتیں شاید عالمِ کفر ان کو تومروا سکتے ہے مگر ان کو ڈرا نہیں سکتے ان کے حوصلے پست نہیں کرسکتے۔

یہی استقامت ، جرات ، شجاعت ، پہادری، ایمان فلسطینوں کے عظیم ہتھیار ہے اور یہی ان کے ابدی کامیابی ہے"

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "یہ دین (اسلام) ہمیشہ قائم رہے گا، اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس دین کی خاطر مسلسل (باطل کے خلاف) (جان و مال اور قلم و تلوار سے) جنگ کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے گی

صحیح مسلم :'4953

جہاد کی دین اسلام میں اہمیت

شیخ الحدیث و تفسیر علامہ مفتی محمد زرولی خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہےکہ "جہاد ہمارا مذہبی مسئلہ ہے جہاد کی حیثیت ہمارے یہاں جہاد کے موقع پر نماز ، روزے اور زکاۃ و حج سے بڑھ کر ہے ۔ میں ببانگِ دہل ایات و احادیث کی روشنی میں کہہ رہا

ہوں اور اس پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ جب جہاد کا موقع آیا تو آپ ﷺ مسجد نبوی میں نہیں رہے ۔ خضرت ﷺ نے وہاں کی نمازے وہاں کے جمعےسب چھوڑ دئے اور دشت و بیابان، صحرہ اور جنگلوں کے راستے آپﷺ نے اختیار کئے۔ "(ماحوذ از احسن الحطباطات: جلد چہارم)

نظم

القسام بریگیڈ حماس کے ترجمان ابو عبیدہ کے نام

دشمن کے لئے قہر بن گیا ابوعبیدہ
غیروں کے لئے زہر بن گیا ابوعبیدہ

امتِ مسلمہ کے لئے چین و راحت
کفار کے لئے خطر بن گیا ابوعبیدہ

آواز بن گئے ہے فلسطینیوں کا وہ
مظلوم کے لئے صبر بن گیا ابوعبیدہ

غازی ہے مجاہد ہے غاروں کا ہم نشین
شب کے لئے سحر بن گیا ابوعبیدہ

یہود اور ہنود کے لئے دہشت و طوفاں
انہیں کے لئے سقر بن گیا ابو عبیدہ

حریت و آزادی کا امیدِ سحر ہے
اقصٰی کے لئے خبر بن گیا ابوعبیدہ

مفتی انور علی یاروں ان کا ہے گرویدہ
اپنوں کے لئے شَکر بن گیا ابوعبیدہ

دُعا

یا اللہ تعالٰی فلسطینی مسلمانوں کی مدد و نصرت فرما۔ اور تو ہی ان کی حال پر رحم و کرم فرما ۔ اللھم علیک بلیہود و الصلبین۔ اللھم علیک بلھندوس و المشرکین ۔ اللھم علیک بالشوعیین والکفار اجمعین۔ اللھم النصر اخواننا المومنون المستضعفین والمجاہدین فی فلسطین فی غزہ فی مسجد الاقصٰی ۔ اللھم النصرھم بجنود الملائکۃ اللھم النصرھم بروح القدس۔ یا اللہ ہمارے پیارے ملک پاکستان کی حفاظت فرما افعانستان ، کشمیر ، عراق، شام، لیبیا ، بوسنیا، چیچنیا جتنے بھی مسلم ممالک ہیں سب کو عالم کفر کے شر و فساد سے محفوظ فرما۔ خصوصا اہل فلسطین کے غیبی مدد و نصرت فرما ۔ یا اللہ حماس مجاہدین کی حفاظت فرما اور سرزمینِ فلسطین یہودیوں ، صہیونیوں کیلئے قبرستانِ عبرت بنادیں ۔ آمین ثمہ آمین

قنوت نازلہ کی دُعا

اللھم اعزّ الاسلام و المسلمینَ و اذلّ الشرک و المشرکین و دمّراعداءک اعداءالدینَ واجعل هذالبلد آمنا مطمئناوسائر بلاد المسلمینَ اللھم اصلح احوال المسلمین فی کلِ مکانِ

اللھم اصلح حال احواننا واھلنا فی فلسطین اللھم آمن روعاتھمَ اللھم احقن دماءھمَ واشف مرضاھمَ و تقّبل شھداھمَ اللھم النصر احواننا المجاھدین فی فلسطینَ اللھم انتصر لھم من الیھود المحتلین الغاصبینَ اللھم کن لھم معینا و نصیرا ومؤیدا وظھیراَ اللھم طھرِ المسجد الاقصی من الیہودا المحتلین الغاصبینَ اللھم احفظِ المسجد الاقصیَ اللھم اجعلہ سامخا عزیزا الی یوم القیامۃ بفضلک و جودک و کرمک یا ارحم الراحمینَ

تمت ; 2023;11;27